افضل البشر سے وابستگی کی خصوصیت

اور اس کے اسرار و رموز

تالیف

مفکر اسلام، پیر طریقت حضرت علامہ

ب علی زین العابدین الجفری

ترجمہ

مولانا محمد افروز عالم علیمی

کتاب محل

Marfat.com

افضل البشر سے وابستگی کی خصوصیت
اور اس کے اَسرار و رُموز

تالیف

مفکرِ اسلام، پیر طریقت حضرت علامہ
سیّد حبیب علی زین العابدین جفری

ترجمہ

مولانا محمد افروز عالم علیمی

کتاب محل

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ ادارہ کتاب محل سے باقاعدہ تحریری اجازت
کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں کیا جا سکتا۔ اگر اس قسم کی کوئی بھی صورتحال ظہور پذیر
ہوتی ہے تو قانونی کاروائی کا حق محفوظ ہے۔

159230
2/

نام کتاب: افضل البشر سے وابستگی کی خصوصیت اور اس کے اَسرار و رُموز

تالیف: سید حبیب علی زین العابدین جفری

سن طباعت: ۲۰۱۷ء

قیمت: 400/-

کتاب محل

دربار مارکیٹ لاہور
0321-8836932

نئی و پرانی عربی، فارسی، اُردو اور انگریزی کتب کا مرکز
ادارے کے پاس 100 سالہ پرانے نسخہ جات۔ دستیاب ہیں

اپنی کتابیں پرنٹ کروانے کیلئے رابطہ فرمائیں
مسودہ دیں تیار کتاب لیں

Marfat.com

فہرست

موضوع	صفحہ
پیش لفظ	3
تقریظ	9
تصدیر	11
انسانی زندگی کے مراحل	13
زندگی کا مقصد اور ہر انسان کی ذمہ داری	16
کمال کا مفہوم اور نسبی کمال کا نمونہ	17
انسانِ کامل نصاریٰ کی نظر میں	18
انسانِ کامل کا مفہوم	19
بشریتِ محمدی کا راز	24
کامل سے تعلق کی کلیدِ امتیاز	29
حضور کی صورتِ بشریہ کا کمال	35
مصطفی جانِ رحمت ﷺ سے محبت کمالِ ایمان ہے	38
سرکارِ دوعالم ﷺ سے وابستگی حصولِ اعلیٰ درجات کا سبب ہے	46

Marfat.com

مصطفی کریم ﷺ کا فیض زمان و مکان پر بھی ہے	51
مفہومِ توحید کی حقیقی معرفت اور رسول اللہ ﷺ سے اس کا رشتہ	54
رسالت کا تعلق رسول سے اور ذمہ داری کا تعلق محبت سے	58
شوقِ اِطاعت	62
اِطاعت کے ساتھ خدمت کا جذبہ اِیثار کی فرع ہے	67
اِقتداء سے اِطاعت اور اِقتدار تک	74
خلاصۂ کلام	77
مآخذ و مراجع	78

Marfat.com

پیشِ لفظ

ڈاکٹر انوار احمد خانؒ بغدادی

زیرِ نظر کتاب "فقہِ سیرت" پر ایک نہایت جامع، مفید اور شاہکار تالیف ہے، عقلی اِستِدلال اور فطری منطقیت کے ساتھ ساتھ یہ کتاب اَحادیث وآثار سے اس طرح مزیّن ہے کہ کسی کو اُنگلی رکھنے کی مجال نہیں، مختلَف فیہ مسائل کا تجزیہ، باطل نظریات کا ردِّ بلیغ اور ایمانی حقائق کا اِنکشاف نہایت خوش اُسلوبی کے ساتھ کیا گیا ہے، کہ اگر قاری کے اندر اعترافِ حقیقت کا پانی مَرا نہ ہو تو اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتا، جبکہ اُسلوبِ بیان کی شیرینی اور قوتِ اِستِدلال کی دِلکشی سے متاثر ہونا تو فطری بات ہے۔

اس کتاب کی ایک سب سے بڑی اَہمیت یہ ہے کہ یہ کتاب رسولُ اللہ ﷺ پر کیے جانے والے بعض اعتراضات کے دِفاع میں لکھی گئی ہے، مختصر مگر جامع اندازِ بیان میں آپ ﷺ کے خصائصِ کریمہ بیان کیے گئے ہیں، آپ ﷺ سے ہم اُمتیوں کا خصوصی تعلّق اور آپ سے والہانہ وابستگی کو معراجِ انسانیت بتاکر، ان لوگوں کے ذہن کے کیڑوں کو مارنے کی کوشش کی گئی ہے جو یہ سوچتے ہیں کہ رسولُ اللہ ﷺ (معاذ اللہ) ہم جیسے بشر ہیں۔

Marfat.com

اس کتاب کے مؤلّف عالَمِ اسلام کی مشہور ومعروف شخصیت، مفکرِ اسلام حضرت علاّمہ سیّد حبیب علی زَین العابدین جُفری ہیں، ان کا تعلق یمن سے ہے، آپ نَسباً حَسینی سیّد ہیں، ۱۹۷۱ء میں حجازِ مقدّس کے مشہور ومعروف شہر جدّہ میں آپ کی ولادت ہوئی، علمی اور دینی گھرانے میں تعلیم وتربیت کا خصوصی اہتمام کیا گیا، آپ کی اسلامی نشوونما میں آپ کی پھوپھی کے علاوہ والدہ ماجدہ عالمہ فاضلہ سیّدہ صفیہ بنت علوی بن حسن جُفری نے خصوصی کردار ادا کیا، جدّہ کے ایک اسکول (مدرسة الثغر النموذجيّة) میں انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد یمن کی مشہور ومعروف یونیورسٹی صنعاء کے شعبہ اسلامیات میں داخلہ لیا اور اعلیٰ تعلیم کی تکمیل فرمائی۔

علاوہ ازیں حجاز، یمن، مصر، شام اور مغرب وغیرہ کے جلیل القدر شُیوخ سے بھی استفادہ کیا اور اجازات واَسانید سے نوازے گئے، آپ کے شیوخ کی تعداد ایک اندازے کے مطابق تین سَو سے زیادہ ہے، جن میں مکۂ مکرمہ کے شیخِ جلیل خلیفۂ حضرت مفتیٔ اعظم ہند مصطفیٰ رضا خانؒ (م ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) سیّد علوی مالکی، یمن کے سیّد حبیب عمر بن حفیظ، مصر کے محمد متولی شَعراوی اور شام کے شیخ ابوغدّہ وغیرہ خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں۔

Marfat.com

آپ "حبیب" کے لقب سے ملقّب ہیں، در حقیقت یہ لقب حضر موت (یمن) میں اُن ساداتِ کِرام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جن کا اِسلامیات میں تخصص اور دعوت و تبلیغ جن کا مشغلہ ہو۔

دعوت و تبلیغ اور تصنیف و تالیف آپ کا اہم مشغلہ ہے، اب تک درجن سے زائد کتابیں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوکر دادِ تحسین وصول کر چکی ہیں، شیفتگی، سنجیدگی اور معقولیت آپ کی تحریر کے نمایاں عناصر ہیں۔

آپ کی چند اہم تالیفات درج ذیل ہیں:

١. معالم السُّلوك للمرأة المسلمة

٢. محبة الرّسول ﷺ

٣. محاسبة النّفس

٤. تربية الأولاد

٥. الاقتصاد الرَّباني

٦. كيف أحبَّ أصحابُ محمدٍ محمداً

٧. الرَّجل المسلم في بيتِه

٨. مولِد ووَفاةُ الرَّسول ﷺ

Marfat.com

٩. التوبةُ النَّصوح

١٠. لا تحزن لا تغضبْ فلن يخزِيك الله

سیّد علی جفری صاحب صالح اور معتدِل فکر کے حامل، ایک نہایت باصلاحیت عالمِ دِین ہیں، آپ کی دینی خدمات عالمی سطح پر عیاں ہیں، تصنیف و تالیف اور دعوت و تبلیغ کے علاوہ اسلامی اداروں کے بانی و سرپرست بھی ہیں، ۲۰۰۵ء میں ابوظبی (اِمارات) میں "مؤسّسة الطابة" کے نام سے آپ نے ایک اسلامی ادارہ کی بنیاد ڈالی، جو آج بھی اسلام اور صاحبِ اسلام کے دِفاع میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے، اس ادارہ کی اَہمیت کا اندازہ اس کی مجلسِ شوریٰ کے ممبران سے لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ اس کی مجلس میں ڈاکٹر محمد سعید رمضان البُوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ڈاکٹر نوح القُضاۃ، ڈاکٹر علی جمعہ اور سیّد حبیب عمر بن حفیظ جیسی قابلِ رشک شخصیات شامل ہیں، یار ہی ہیں۔

اللہ رب العزّت نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے نوازا ہے، سادگی، تواضع اور مہمان نوازی کی دولت کے ساتھ ساتھ علمی ہیبت، نَسبی عظمت، خاندانی وَقار، ایمانی جلال اور روحانی سکینہ واطمینان آپ کے نورانی چہرہ سے ہویدا ہے۔

Marfat.com

سیّد صاحب اپنی گونہ گوں صلاحیت، خوش مزاجی اور مثالی اسلامی خدمات کی بنیاد پر عوام وخواص میں کافی مقبول ہیں، بلکہ تاثیر اور عوامی مقبولیت کے اعتبار سے دنیا کے چُنندہ اَفراد میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ کے مریدین کی ایک لمبی فہرست ہے، جبکہ عوام کے علاوہ اَربابِ اِقتدار بھی آپ کی دَست بُوسی کرتے نظر آتے ہیں۔

گوکہ سیّد صاحب خانقاہی نظام کے پروَردَہ ایک پیرِ طریقت کی حیثیت سے متعارِف ہیں، مگر ممبر ومحراب سے لیکر میدانِ کارزار تک آپ کی کوششیں جگ بھر میں ظاہر ہیں، دشمنانِ اسلام بالخصوص دشمنانِ رسول ﷺ کو منہ توڑ جواب دینے کے سبب سیّد صاحب کو عالمی شہرت حاصل ہے، عرب میڈیا میں آپ کے صالح اَفکار کی گونج برابر سُنی جاتی ہے، اسلامی، انسانی اور معاشَرتی موضوعات پر آپ کے خطابات بڑے بڑے سیمینار وکانفرنس کی کامیابی کی ضمانت بنتے ہیں، بین الاقوامی سطح پر آپ کے کامیاب دَورے ہوتے ہیں، اور جامعات وکالجز میں آپ کے لکچر سنے جاتے ہیں، اسی قسم کے ایک دَورہ پر ۲۰۰۸ء میں ہندوستان کی مشہور ومعروف درسگاہ "مرکزالثقافۃ السُنیۃ" کیرلہ کے جلسہ تقسیمِ اَسناد کے موقع پر آپ تشریف لائے تھے، جہاں راقم کو بھی آپ کے دیدار سے مشرّف ہونے کا موقع میسّر آیا۔

Marfat.com

ماشاء اللہ ابھی آپ باصحت اور تواناں ہیں، عطائیں جاری ہیں، قلم چل رہا ہے، اور زبان مبارک سے دعوت و تبلیغ کی کھیتی سیراب ہو رہی ہے، اللہ تعالی آپ کو حاسدین کے حسد، ظالموں کے ظلم اور شریروں کے شَر سے محفوظ و مامون فرمائے!

آپ کی عمر، علم اور عمل میں خوب خوب برکتیں نازل فرمائے، آمین!۔

چلتے چلتے واضح رہے کہ یہ کتاب عربی زبان میں "سِرّ الخصوصية في الارتباط بخير البَرِيّة" کے نام سے موسوم ہے، اس کے ترجمہ کا شرف برادرِ صغیر حافظ و قاری مولانا محمد اَفروز عالَم علیمی سلّمہ الباری نے حاصل کیا ہے، یہ ان کی پہلی کوشش ہے، مگر قابلِ ستائش ہے، اگر مسلسل محنت و لگن سے کام کرتے رہے تو مستقبل میں ان شاء اللہ ترجمہ نگاری کی دنیا میں ان کا ایک نمایاں مقام ہوگا۔

اللہ رب العزّت اس کتاب کو مقبولِ خواص و عوام بنائے، اور مؤلّف و مترجم کو ان کی کاوشوں کا بہترین صِلہ عطا فرمائے، آمین! وصلّى الله تعالى على خير خَلقه وعلى آله وصحبه أجمعين. اَنوار احمد بغدادی

دار العلوم علیمیہ، جَمدا شاہی، بستی، یو پی، ہند

۳۰ ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ بروز جمعہ مبارکہ

مطابق ۲۵ ستمبر ۲۰۱۴ء

Marfat.com

تقریظ

فضیلۃ الامام علاّمہ رَبّانی عمر بن محمد بن سالم بن حفیظ

الحمد لله، وصلاتُه وسلامُه على مصطفاه، وآله وصحبه
واهل حقيقته،

وآيةُ حبِّ الله منّا اتّباعُه وبه وَعدُ الغُفران بعد المحبّة

(اللہ تعالیٰ کی اتّباع ہماری اُس سے محبت کی علامت ہے، اور محبت کرنے کے بعد بخشش کا وعدہ اُسی سے ہے)

ومَن يُطِع الهادي أطاعَ إلهَه ومَن يَعصِه يعصِ الإلهَ ويمقُت

(جس نے آپ ﷺ کی اِطاعت کی اس نے معبودِ حقیقی کی اِطاعت کی، اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس سے بُغض رکھا)

ومَن بايَع المختارَ بايعَ ربَّه يدُ الله من فوق الأَيادي الوَفيّة

(جس نے نبیٔ مختار سے بیعت کی اس نے اپنے ربّ تعالیٰ سے بیعت کی، اللہ تعالیٰ کی قدرت تمام وَفادار ہاتھوں کے اوپر ہے)

یہ مبارک رسالہ جو علاّمہ علی زَین العابدین بن عبدالرحمن بن علی بحفری کی شاہکار تالیف ہے، اس کے اندر میں نے مَعانی کی نُدرت کو بیان کرنے کا

Marfat.com

بھاانداز پایا، جو اللہ کی وحی اور کونین کے سردار جنابِ محمد رسولُ اللہ ﷺ کی ہدایت وتبلیغ کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں، جو آپ ﷺ سے اہلِ ایمان کے تعلق کے حقائق کو واضح کر رہے ہیں، یعنی خالق پر ایمان کا راز منکشف کر رہے ہیں، اور صحابہ وتابعین کی پیَروی کی روشنی میں صحیح راستے کے نشانات کوواضح کرتے ہیں۔

اللہ تعالی اس رسالے کے ذریعہ امّت کو نفع پہنچائے اور اس میں برکت دے، اس کی برکتیں ان تمام لوگوں پر بھی نازل ہوں جو اس کی نشر واِشاعت میں حصہ لیں، پڑھنے والوں اور سننے والوں کو بھی فیضیاب کرے، اور ان کو فہم وفراست کانُور عطاکرے، نیزاُن سے شکوک وشبہات کی تاریکی کودُور کرے اور انہیں امّت کی ذمہ داری بحُسن وخوبی اَنجام دینے کی توفیق بخشے، آمین!۔

عمر بن محمد بن سالم بن حفیظ

۱۴۳۴/۱۰/۲۹ھ

۲۰۱۳/۹/۴م

Marfat.com

تصدیر

تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لیے ہیں، جس کے فضل وکرم سے نیکیوں کی توفیق ملتی ہے، اللہ تعالی کے لیے ایسی خوبیاں ہیں جو اس کے فضل واِحسان کے شایان شان ہیں، اور اللہ تعالی رحمتیں نازل فرمائے انسانیت کے رہنما، افضل المخلوقات جناب محمد رسولُ اللہ ﷺ اور آپ کی آل واصحاب پر، اور آپ کی بارگاہ سے تعلق رکھنے والوں پر، اور قیامت تک آپ کے راستے پر چلنے والوں پر!۔

یہ رسالہ ہمارے دلوں میں موجود اس سلسلے کی کڑی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ کے اُسوۂ حَسنہ پر عمل کرتے ہوئے تمام اہلِ جہاں کے دلوں میں محبتِ نبی کی شمع روشن کی جائے، اس رسالے میں فضیلت مآب حضرت علی زین العابدین جُفری نے ارشاد باری تعالی: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَّاحِدٌ﴾[1] کے تحت مندرج حبِ نبیٔ اکرم ﷺ سے ایمان کی تکمیل کے حوالے سے دلائل جمع کیے ہیں، احادیث اور آثار کی تخریج ڈاکٹر مصطفی ابو زَید رَشوان استاذ شعبۂ حدیث واصولِ حدیث جامعہ اَزہر نے،

---

(۱) پ١٦، الكهف: ١١٠.

Marfat.com

فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد امین کی نگرانی میں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کا انہیں بہترین ثمرہ عطا فرمائے!۔

ڈاکٹر محی الدّین احمد

مکتب حبیب علی زین العابدین جفری ابوظبی-اِمارات

Marfat.com

بسم الله الرّحمن الرّحيم

الحمد لله على فضلِه وإحسانِه، وجودِه وامتِنانِه، وأشهد أن لاّ إلهَ إلاّ الله، شهادةً تزجّ بِنا في بِحار معرفتِه ورِضوانه، وأشهد أنّ سيّدَنا ومولانا محمّداً عبدُه ورسولُه، صفوَةُ خلقِه، وزينةُ جنانِه، صلواتُ ربِّي وسلامُه عليه وعلى عترته وأصحابه وتابعِيهم والتابعين لهم بإحسانٍ إلى يوم الدِّين.

انسانی زندگی کے مراحل

تمام تعریفیں اللہ تعالی کے لیے ہیں، جس کے فضل واِحسان اور جُود وسَخا کے بدلے، رہبرِ انسانیت جناب محمد رسولُ اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے بنی نَوعِ انسان کے تعلق کا راز منکشِف کرنے کے لیے، انسان کے مقصدِ تخلیق کو بیان کرنا ضروری ہے؛ کیونکہ انسان کے وجود کا ایک عظیم مقصد ہے جس کے لیے اللہ تعالی نے اس کی تخلیق فرمائی ہے، اور اس مختصر سی زندگی میں انسان پر ایک دوسری اہم ذمہ داری بھی عائد کی۔

"مختصر سی زندگی" اس لیے کہا کہ زندگی طویل بھی ہوتی ہے اور مختصر بھی، انسان کی طویل زندگی کی ابتداء اُس وقت سے ہوتی ہے جب اللہ تعالی نے حضرت

Marfat.com

آدم علیہ السلام کے جسم میں رُوح ڈالی، اور آدم کی اولاد کو خود انہیں پر گواہ بنانے کے بعد آدم کی پشت میں وَدیعت فرمایا، چنانچہ ربِ کریم کا فرمانِ عالیشان ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا: بَلَى شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ﴾[1] "اے حبیب! یاد کیجیے جب آپ کے ربِ کریم نے اولادِ آدم کی پشت سے اُن کی نسل نکالی، اور انہیں خود اُن پر گواہ بنایا، کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟! سب بولے: ہاں کیوں نہیں! [اللہ تعالی نے فرمایا:] ہم گواہ ہوئے؛ تاکہ کل قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔

لہذا اُسی وقت سے ہماری زندگی کی ابتداء ہو جاتی ہے، پھر ہم اپنے آباء کی صلبوں سے اپنی اُمہات کے رِحموں میں منتقل ہوتے ہیں، اور ہماری ولادت کے بعد زندگی کا دوسرا دَور شروع ہوتا ہے، جو مرنے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتا ہے، اور مَوت کے بعد زندگی کا تیسرا دَور شروع ہوتا ہے جو قیامت تک رہے گا، اسی کو حیات بَرزَخی کہا جاتا ہے، اور زندگی کے چَوتھے دَور کا آغاز اُس وقت ہوگا جب اللہ تعالی کے حکم سے

---

(۱) پ۹، الأعراف: ۱۷۲.

Marfat.com

حضرت اسرافیل علیہ السلام دوسری مرتبہ صور پھونکیں گے، پھر تمام مخلوقات کو جمع کیا جائے گا، اور حشر کی زندگی دنیا میں داخل ہوجائے گی، لوگ بڑے بڑے تجربوں سے گزر کر حساب کتاب کے بعد جنت یا جہنم کا راستہ لیں گے (والعیاذ باللہ)، پھر جنت یا جہنم میں داخل ہونے کے بعد زندگی کا پانچواں دور شروع ہوگا، جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

اس وقت کہا جاسکتا ہے کہ ہماری زندگی بہت طویل ہے، مگر اس کا سب سے مختصر حصہ ولادت سے وفات تک کا درمیانی مرحلہ ہے، اور باوجود یکہ ہماری یہ دنیاوی زندگی سب سے مختصر ہے، مگر یہی سب سے اہم اور بامقصد ہے؛ کیونکہ اس سے پہلے کا مرحلہ آخرت کی تیاری سے خالی ہے، اور اس کے بعد کا مرحلہ اس کا نتیجہ وانجام ہے۔ (زندگی کے مراحل اور اس کے طور طریقوں سے متعلق امام حداد رضی اللہ عنہ نے ایک کتاب بنام "سبيل الادكار والاعتبار فيما يمرّ بالإنسان وينقص له الأعمار"(۱) تصنیف فرمائی ہے۔

---

(۱) شیخ الاسلام قطب الدعوة والارشاد حبیب عبداللہ ابن علوی الحدّاد کی کتاب "سبيل الادكار والاعتبار فيما يمرّ بالإنسان وينقص له الأعمار" مطبوعہ دار الحاوي للطباعة والنّشر ۱۹۹۳ء۔

Marfat.com

زندگی کا مقصد اور ہر انسان کی ذمہ داری

افسوس! آج اس رُوئے زمین پر بیشتر لوگوں، بلکہ اکثر مسلمانوں کی پوری جدوجہد اور قلبی توجہ اسی مختصر سی زندگی پر مرکوز نظر آتی ہے، اور اس دنیا طلبی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان اپنے مقصدِ حیات سے ہی غافل ہوگیا، حالانکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اسے بے کار نہیں پیدا کیا، بلکہ ایک مقصد کے تحت اِسے وجود بخشا ہے، اور اس دنیا میں اس پر کچھ خاص ذمہ داریاں بھی عائد کی ہیں، وہ مقصدِ حیات جس کے لیے اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں پیدا کیا ہے وہ عبادت ہے، جس سے ہر مسلمان باخبر ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[1] "میں نے جن اور انسان کو صِرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا"، اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہمارا مقصدِ تخلیق کچھ اَور نہیں، صرف عبادت ہے، اسی طرح جو ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر رکھی گئی ہے وہ نیابت وخلافت ہے، جیسا

---

(۱) پ۱، البقرة: ۳۰.

Marfat.com

کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾[1] "میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں"۔

بہرحال اللہ تعالی کی عبادت اور اس کی نَیابت کی ادائیگی، دونوں اَہم مقاصد اور اَہم ترین فرائض ہیں، ان کا جاننا اور سمجھنا انسان کے لیے انتہائی ضروری ہے؛ تاکہ اسے معلوم ہو کہ حقوقُ اللہ کیا ہیں، حقوقُ العباد کیا ہیں؛ کیونکہ حقوقُ اللہ کو ادا کرنا عبادت، اور حقوقُ العباد کی ادائیگی نَیابت وخلافت ہے، اور عبادات ومعاملات کی مزید تحقیق انسانی کمال کے نمونہ کی متقاضی ہے، جس کے ذریعہ حقِ بندگی اور حقِ معاملات کا صحیح علم حاصل ہوتا ہے۔

کمال کا مفہوم اور نِسبی کمال کا نمونہ

انسان کا مقصودِ اصلی یہ ہے کہ وہ اپنے صحیفۂ تقدیر میں لکھے ہوئے درَجات کو حاصل کرلے، کمال کی نسبت جب اللہ تعالی کی طرف کی جاتی ہے تو اس سے مطلق کمال مراد ہوتا ہے، لیکن اَفرادِ بَشر کے لیے جس کمال کا اِطلاق ہوتا ہے اس کے اِمام، مَظہر، نمونہ اور منتہی ہمارے پیارے نبی سیّدنا محمد رسولُ اللہ ﷺ

(۱) پ۲۷، الذاریات: ۵۶.

Marfat.com

ہیں، آپ صاحبِ کمالاتِ بشریہ ہیں، اور خاندانی کمال کے اِنتہائی اعلی درجہ پر فائز ہیں، انہیں کی ذاتِ اَقدَس سے وابستہ ہوکر صاحبِ کمالِ مطلق اللہ ربّ العزّت وحدَہ لاشریک لہ کی بندگی تک رَسائی حاصل ہوسکتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ انسانی کمال کا ظُہور اللہ تعالی کی ذات سے رشتہ بندگی کو اُستُوار کرکے پختہ قلبی تعلق سے ہوتا ہے، اور کائنات سے اس کا تعلق خلافت کے مفہوم پر مبنی ہے۔

انسانِ کامل نصاریٰ کی نظر میں

یہی وہ چیز ہے جو نصرانیت میں کامل انسان کا نمونہ تلاش کرنے میں ہماری مدد کرتی ہے، اور بے شک نصاری کی نظر میں وہ انسانِ کامل حضرت سیّدنا عیسی علیہ السلام ہیں، یہ اَور بات ہے کہ نصاریٰ نے جن چیزوں کو کمال سمجھ کر سیّدنا عیسی کی طرف منسوب کر رکھا ہے، وہ کمال بجائے خود محلِ نظر ہے، ان کا نظریہ ہے کہ "انسان کا کمال یہ ہے کہ وہ خدا کی بندگی کے لیے بعض فطری چیزوں کو چھوڑ دے، اور فطرتِ انسانی سے مَیل کھاتی ہوئی چیزوں سے بھی اس کا رشتہ نہ رہے"۔

ان کا خیال ہے کہ جو عبادت میں کمال حاصل کرنا چاہتا ہے اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ نکاح نہ کرے، اور بہت ساری فطری ضروریات سے قطع تعلق کرلے، اور اس پر وہ استِدلال کرتے ہیں کہ حضرت سیّدنا عیسی علیہ السلام شادی سے پہلے

Marfat.com

ہی آسمان پر اُٹھا لیے گئے، اور یہیں سے انسانِ کامل کے مفہوم کا نظریہ تشکیل پاتا ہے۔ لہذا انسانِ کامل شادی نہیں کر سکتا ہے؛ اس لیے کہ شادی کرنا ایک طرح کی نفسانی خواہش کی تکمیل ہے، اور نہ ہی وہ تنازع کر سکتا ہے، اگرچہ حق کے راستے میں ہی کیوں نہ ہو؛ کیونکہ تنازع سے دشمنی پیدا ہوتی ہے، اور وہ تجارت بھی نہیں کر سکتا؛ کیونکہ تجارت بھی لالچ، شہوت اور عداوت کی طرح بُری صفات کے زُمرے میں آتی ہے۔

حضرت سیّدنا عیسی علیہ السلام بلاشک وشبہ کامل ہیں، اللہ ربّ العزّت کا فرمان ہے کہ آپ آخری زمانے میں نزول فرمائیں گے، مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا کریں گے، شادی بھی کریں گے اور فوج کے سپہ سالار بھی رہیں گے، یہاں سے کمال کے معیار کی تعیین ہوتی ہے۔

انسانِ کامل کا مفہوم

ہمارے نزدیک انسانِ کامل کا مفہوم اس حدیثِ پاک سے مستفاد ہے:

«الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ»[1] "طاقتور مسلمان اللہ تعالی کی بارگاہ میں کمزور مسلمان کی بنسبت بہتر اور زیادہ مقبول ہے" اور یہ

(١) "صحيح مسلم" كتاب القدر، بَابٌ الْإيمان...، ر: ٦٧٧٤، صـ١١٦١.

Marfat.com

حدیثِ پاک بھی: «المؤمن الذي يُخالِط النّاسَ ويصبر على أذاهم، أَعظمُ أَجراً مِن الذي لا يُخالِطهم ولا يصبر على أذاهم»[1] "وہ مسلمان جو لوگوں کے درمیان رہے اور اُن کی اِیذارسانیوں پر صبر کرتا رہے، وہ اُس سے زیادہ اَجر پائے گا جو لوگوں کے درمیان نہ رہے، اور ان کی اِیذارسانیوں پر صبر نہ کرسکے"، لہٰذا جو شخص ان دو چیزوں کا جامع ہوگا، وہی دَر حقیقت کمالِ انسانی کی طرف گامزن ہوگا۔

اللہ تعالی نے انسان کی فطرت میں متأثر ہونے اور دوسرے کی نقل کرنے کا رُجحان وَدیعت فرمایا ہے، اور انسان کے اپنے خیال کے مطابق مَظاہرِ کمال کے نمونے متعدّد اور مختلف ہیں، اسی لیے اللہ تعالی نے ہمارے لیے جناب محمد رسولُ اللہ ﷺ کو عظیم پیشوا اور رُوئے زمین پر موجود تمام بَشری کمالات کا مَظہر بنایا ہے، انہیں کے دامنِ کرم سے وابستہ ہوکر کمال کی تمام تَر وادیاں پار کی جاسکتی ہیں، اور بَشری کمال کے جملہ سیّارے آپ ﷺ کی ذاتِ اَقدس میں گردش کُناں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں فَردِ بَشر بنایا، تو کیا یہ ہوسکتا ہے کہ بشریّت کا یہ وصف آپ کے مرتبہ کے لیے کوئی حد اور قید ہو؟ جیسا کہ کچھ لوگوں کا

---

(١) "مسند الإمام أحمد، مُسْنَدُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، ر: ٥٠٢٢، ٢/ ٢٩٤.

Marfat.com

خیال ہے! اور وہ آپ ﷺ کے بشری کمالات پر دلالت کرنے والے اَوصاف پر اعتراضات کرتے ہیں، وہ ہم سے کہتے ہیں کہ "حضور کی تعریف میں مبالَغہ مت کرو، زیادتی مت کرو، غُلو مت کرو، وہ تمہاری طرح بشر ہی تو ہیں" اور اس آیتِ مبارکہ سے استِدلال کرتے ہیں: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ اور آیتِ کریمہ کے اندر موجود انتہائی کمال کی دلیلوں کو بُھول جاتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب سمجھنے کے لیے آیتِ کریمہ کا معنی اور اس میں موجود دلیلوں کو سمجھنا ضروری ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ "اے حبیب! آپ ان سے فرماد یجیے کہ: میں ظاہری صورت میں تمہاری طرح بشر ہوں"۔

ملاحظہ فرمائیے! کہ آیتِ مبارکہ کے شروع میں اللہ تعالی نے اپنے پیارے رسول ﷺ کو ﴿قُلْ﴾ کا حکم فرمایا ہے، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مسئلہ درحقیقت تبلیغی اُمور سے متعلق ہے، اور کلامِ الٰہی میں فعلِ امر لفظ ﴿قُلْ﴾ کے بارے میں ہم اگر غَور کریں، تو پتا چلتا ہے کہ اس کا بیشتر استعمال اُن مَعانی میں ہوتا ہے جن کا تعلق انسان کی تربیت، اور کفر سے ایمان کی طرف منتقل کرنے، یا

Marfat.com

دائرۂ ایمان کے اندر عبادت میں ترقی، اور اللہ تعالی سے قلبی لگاؤ، یا مخلوق سے تعلق پیدا کرنے سے ہے۔

جب ہم رجوع الی اللہ سے متعلق وارِد امرِ ربّانی میں غَور کرتے ہیں تو آیتِ کریمہ: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ﴾[1] "آپ فرماد یجیے! اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی! اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو" میں ہمیں نظر آتا ہے کہ اللہ تعالی نے ہمارے آقا ومَولا ﷺ سے ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ﴾ فرمایا ہے، حالانکہ کچھ لوگوں کی امید کے مطابق "قل لعبادي" ہونا چاہیے تھا؛ کیونکہ ہم محمد رسولُ اللہ ﷺ کے بندے نہیں ہیں، ہم تو اللہ تعالی کے بندے ہیں، اس کے باوجود اللہ تعالی نے حضورِ اکرم سے ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ﴾ فرمایا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اے حبیب! آپ کی ذات ہمارے بندوں کے درمیان ہماری پہچان ہے، اور آپ کا کردار، آپ کی گفتار میری طرف سے میرے بندوں کو خطاب ہے، چنانچہ ارشادِ ربّانی ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى (٣) إِنْ هُوَ إِلَّا

---

(١) پ٢٤، الزمر: ٥٣.

١٥٩٢٣٥

Marfat.com

وَحْيٌ يُّوحَى﴾[1] "وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں بولتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے"۔

آیتِ مبارکہ: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَّاحِدٌ﴾ میں تین چیزیں ہیں، ان کی تبلیغ کی ذمہ داری اللہ تعالی نے اپنے حسبِ کریم ﷺ کو عطا فرمائی: اوّل، حضور کی بَشریت: یعنی ظاہری شکلِ بَشر میں ہونے کا اِعلان کرنا، یہ ﴿أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ سے ثابت ہے، ایسا اس لیے ہے کہ انسان آپ کی پیَروی کر سکے۔

دُوم، حضور اور عام اَفرادِ بشر کے درمیان فرق: یعنی نبی اور عام انسانوں کے درمیان ما بہ الامتیاز وحیٔ الٰہی ہے، جس کی خصوصیت آپ کو حاصل ہے، جس بنا پر آپ باقی تمام انسانوں میں محبوب اور برگزیدہ ہیں، یہ ﴿يُوحَى إِلَيَّ﴾ سے ثابت ہے۔

سوم، توحید: یعنی اللہ تعالی کی وَحدانیت، اُس کے یکتا اور بے مثل ہونے کا اِعلان کرنا، کہ وہی ہستی ہے جو رزق، زندگی اور مَوت وغیرہ کی مالک ہے، یہ ﴿أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَّاحِدٌ﴾ سے ثابت ہے۔

---

(١) پ٢٧، النجم: ٣، ٤.

Marfat.com

بشریتِ محمدی کا راز

آقائے دو جہاں ﷺ لباسِ بشری میں ملبوس ہو کر اس دنیا میں تشریف ضرور لائے، مگر ساتھ ہی اللہ تعالی نے بے شمار خصلتیں اور فضیلتیں بھی آپ کو عطا فرمائیں، آپ صرف ظاہری شکل وصورت میں ہماری اور عام انسانوں کی طرح ہیں، ورنہ آپ کی صورت کے حُسن وجمال اور اس کی کشش تک بھی ہم میں سے کسی کی رَسائی نہیں ہو سکتی[1]۔

---

(۱) امام بَیہقی نے "دلائل النبوّۃ" میں ذکر کیا کہ حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالی عنہ سے کسی آدمی نے رسولُ اللہ ﷺ کی صفات کے بارے میں پوچھا، تو آپ نے فرمایا: «كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: أَبْيَضَ اللَّوْنِ، مُشْرَبٌ حُمْرَةً، أَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ، سَبْطُ الشَّعْرِ ذُو وَفْرَةٍ، دَقِيقُ الْمَسْرُبَةِ، كَأَنَّ عُنُقَهُ إِبْرِيقُ فِضَّةٍ، مِنْ لَبَّتِهِ إِلَى سُرَّتِهِ شَعْرٌ يَجْرِي كَالْقَضِيبِ، لَيْسَ فِي بَطْنِهِ وَلَا صَدْرِهِ شَعْرٌ غَيْرُهُ، شَثْنُ الْكَفِّ وَالْقَدَمِ إِذَا مَشَى كَأَنَّمَا يَنْحَدِرُ مِنْ صَبَبٍ، وَإِذَا مَشَى كَأَنَّمَا يَتَقَلَّعُ مِنْ صَخْرٍ، وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيعاً، كَأَنَّ عَرَقَهُ اللُّؤْلُؤُ، وَلَرِيحُ عَرَقِهِ أَطْيَبُ مِنَ الْمِسْكِ الْأَذْفَرِ، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَا الْعَاجِزِ وَلَا اللَّئِيمِ،

Marfat.com

=

لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ» ("دلائل النبوّة" للبيهقي، جَمَاعُ أَبْوَابِ صِفَةِ رَسُولِ الله ﷺ، بَابُ جَامِعِ صِفَةِ رَسُولِ الله ﷺ، ١/ ٢٧٣، ٢٧٤).

"رسولُ اللہ ﷺ کا رنگ سفید مائل بہ سُرخ تھا، آنکھیں بڑی تھیں، بال گھنگھریلے تھے، اور گردن چاندی کی صُراحی کی طرح پتلی اور چمکدار تھی، سینے سے لیکر ناف تک تیز تلوار کی مانند بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، مگر آپ کے پیٹ شریف اور سینۂ مبارک پر اس کے علاوہ بال نہیں تھے، آپ کے ہاتھ اور پیَر مبارک کے پنجے مضبوط اور بھاری تھے، جب چلتے تو یُوں محسوس ہوتا گویا ڈھلان سے نیچے تشریف لا رہے ہیں، جب آپ چلتے تو پوری قوت کا مظاہرہ فرماتے، اور جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے تو پوری توجہ کے ساتھ متوجہ ہوتے، آپ کا پسینہ موتی کی مانند چمکتا تھا، اور اس کی خوشبو مُشک سے زیادہ پاکیزہ ہوتی تھی، آپ کا قد مبارک نہ بہت لمبا تھا نہ بہت پست، آپ نہ تو کمزور تھے اور نہ ہی بدخُلق، میں نے ان جیسا نہ پہلے کسی کو پایا اور نہ ہی ان کے بعد"۔

نیز دیکھو اس حدیث کو جو حضرت براء بن عازِب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: «كَانَ رَسُولُ الله ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهاً، وَأَحْسَنَهُ خَلْقاً، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ البَائِنِ، وَلاَ بِالقَصِيرِ». ("صحيح البخاري"، كتاب المناقب، باب صفة النبي

=

Marfat.com

اللہ تعالٰی نے آپ کی اس صورتِ بشریہ کو بھی تمام انسانی صورتوں سے منفرد اور ممتاز رکھا ہے، کہ جس جہت سے بھی انسان اس کا مطالعہ کرے، حیرت واستعجاب میں پڑ جاتا ہے، اور یہی وہ صورت ہے جس کے فضائل و کمالات سے سیرت اور احادیث کی تمام تر کتابیں مالامال ہیں۔

مگر بعض لوگوں کو سرکارِ دوعالَم ﷺ کی صورتِ بشریہ میں کوئی خصوصیت اور کمال نظر نہیں آتا، وہ آپ کے بشری اَوصاف کے فوائد کے بارے میں اعتراض کرنے لگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ "حضور کی صورتِ بشریہ کے کمال کے بارے میں بحث ومباحثہ سے مسلمانوں کو عبادتِ الٰہی اور آپ ﷺ کی پیروی کے سلسلے میں کوئی فائدہ نہیں"۔

وضاحت کے طَور پر ہم ان کو بتادیں کہ آخر کِن کِن لوگوں نے ان اوصاف کو ہم تک پہنچایا ہے؟ کیا یہ اَوصاف وکمالات صحابہ اور سلسلہ بسلسلہ تابعین، تبع تابعین اور ائمہ محدثین کے ذریعہ ہم تک نہیں پہنچے؟ تو آخر کیا وجہ ہے کہ اُن

=

ﷺ، ر: ۳۵٤۹، ص۵۹٦) "رسولُ اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین چہرے، اور اچھے اَخلاق والے تھے، نہ بہت زیادہ دَراز اور نہ ہی پستہ قد تھے"۔

Marfat.com

حضرات نے آپ ﷺ کے فطری اَوصاف وکمالات کے بارے میں کثیر کتابیں تصنیف کیں؟ کبار ائمۂ کِرام نے سیرت نگاری کیوں کی؟ سرکار کی خصلتوں اور آپ کے فطری اَوصاف کو حدیثوں کے ذریعہ فصل دَر فصل، اور باب دَر باب کیوں بیان کیا؟!۔

لہذا اس مفہوم یعنی آپ ﷺ کے فطری اوصاف کو سمجھنا ضروری ہے؛ کیونکہ یہی مفہوم ہمیں آپ ﷺ کی محبت پر آمادہ کرتا ہے، اور آپ ﷺ کی قدر ومنزلت کی پہچان کراتا ہے، اسی مفہوم کے ذریعہ ہمیں اس مقصد کی معرفت حاصل ہوتی ہے جس کے لیے اللہ تعالی نے آپ کو انسانِ کامل بنایا، اسی کے ذریعہ اُمورِ خلافت کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے، بلکہ یہی وہ عظیم سرمایہ ہے جس کے بغیر ہمیں حقوقُ اللہ اور حقوقُ العباد کی معرفت بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

جیسا کہ یہ بات معلوم ہے مصطفی جانِ رحمت ﷺ بھی بتقاضائے بشریت کھاتے پیتے، شادی اور تجارت بھی کرتے، اور جنگ وجہاد میں بھی حصہ لیتے تھے، اور یہی اِشتراکِ عمل کفار کے ایمان لانے میں رُکاوٹ تھا، بلکہ یہی چیز ہر نبی اور رسول کے جھٹلانے کی دلیل ہوتی تھی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي

Marfat.com

الْأَسْوَاقِ﴾[1] "ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب ایسے ہی تھے، کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے"، اور چونکہ آپ ﷺ بھی کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، لہذا کفارِ مکہ کہا کرتے تھے کہ "محمد کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ کھانا کھاتے ہیں، اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں؟" ان کافروں کے اس قول کو اللہ تعالی نے قرآنِ مجید میں نقل فرمایا ہے: ﴿وَقَالُوا: مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ لَوْلَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيراً﴾[2] "بولے: رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے، اور بازاروں میں چلتا ہے! کیوں نہ اُتارا گیا اُن کے ساتھ کوئی فرشتہ؛ کہ ان کے ساتھ ڈر سناتا"۔

یہی نظریہ آج کے معترضین کا بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ جو لوگ ﴿إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ کی حقیقی معرفت نہیں رکھتے، اور سرکارِ دوعالم ﷺ کی صورتِ بشریہ میں سوائے مماثلت کے انہیں کوئی کمال نظر نہیں آتا، وہ ذَوقِ ایمانی سے محروم ہیں، اُن میں ایمان کی علامات: صبر واستقلال، محبت ونَرمی کا نام ونشان نہیں ہوتا،

---

(۱) پ۱۸، الفرقان: ۲۰.

(۲) پ۱۸، الفرقان: ۷.

Marfat.com

اور مسلمانوں کے مابین پیدا ہونے والے فرقوں میں غَور کرنا ہی آپ کے لیے کافی ہوگا کہ ان کا شیوہ بس یہی ہے کہ وہ صِرف حضورِ اکرم ﷺ کی بشریت اپنا موضوعِ سخن بنائے رکھتے ہیں، اور عموماً ان کی اکثریت کو آپ سخت مزاج اور دُرشت رُو ہی پائیں گے؛ اس لیے کہ ان کے یہاں محبت کا مفہوم بہت مختصر ہے، وہ صرف ظاہری اِتباع پر منحصر رہتے ہیں، مَعانی کی حقیقت و معرفت سے ان کا دل بالکل خالی ہوتا ہے۔

کامل سے تعلق کی کلیدِ امتیاز

انسانِ کامل تاجدارِ رسالت ﷺ سے وابستگی ہی معراجِ انسانیت ہے، یہی وہ مقصد ہے جس کے لیے اللہ رب العزّت نے آپ ﷺ کو انسانی شکل میں مبعوث فرمایا؛ تاکہ حضور ﷺ سے پوری انسانیت کا حقیقی تعلق پیدا ہو جائے، اور تمام لوگ آپ کو اپنا مقتدا اور پیشوا مان کر دنیا و آخرت کی سُرخروئی حاصل کر سکیں، ورنہ اگر آپ ﷺ ہماری طرح نہ کھاتے پیتے، نہ بازار جاتے اور نہ شادی بیاہ کرتے، تو ہم ان اُمور میں آپ ﷺ کی اِقتداء کیسے کرتے؟ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے اگر حق بندگی کا نمونہ نہ چھوڑا ہوتا تو ہمیں توسّل الی اللہ تعالی کا علم بھی

Marfat.com

حاصل نہ ہوتا، اسی طرح تمام تر انسانی ضروریات اور تقاضوں کے سلسلے میں حضور سرورِ کونین ﷺ کی ذاتِ بشری ہادی ورہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔

میرے اس قول کی تصدیق اس دلیل سے بھی ہوتی ہے کہ "اگر آپ ﷺ انسانی صورت میں تشریف نہ لاتے تو ہم گمراہ ہوجاتے"؛ کیونکہ یا تو ہم لوگوں سے یکسر کنارہ کش ہوجاتے، اس صورت میں رُہبانیت کا لبادہ اَوڑھ کر گرجوں کی زینت بن جاتے، اور دنیا سے ہمارا تعلق بالکل منقطع ہوجاتا، یا ہم دنیا میں اس طرح کھوجاتے کہ بغیر ہدایت وروشنی کے ہم شہوت، کینہ اور لالچ کے گھڑے میں گر جاتے، پھر تو قطعاً قُربِ خداوندی ہمیں حاصل نہ ہوتا۔

اگر ہم فرض کرلیں کہ حضورِ اکرم ﷺ سوتے نہیں تھے، تو اس صورت میں ہمارا سونا آپ کی سنّت کے خلاف ہوگا، اور خلافِ سنّت کام قُربِ خداوندی کے مُنافی اور عبادت سے غافل کرنے والا ہے، اور عبادت میں کوتاہی نَیابت وخلافت کی رُوح کو مار دیتی ہے، اور اگر ہم مجاہدۂ نفس کرتے ہوئے سونا کم کردیں تو اس صورت میں فطرت کی مخالفت ہوگی، اور ہم کمزوری کے سبب مخلوق کے معاملات سے دُور ہوجائیں گے، اس کے سبب صحیح طَور پر اُمورِ نَیابت وخلافت

Marfat.com

کی ادائیگی نہیں ہوپائے گی، حالانکہ عبادت کے ساتھ ساتھ نیابت وخلافت کی ادائیگی بھی لازم اور ضروری ہے۔

جبکہ سرکارِ ابد قرار ﷺ تو سوتے بھی تھے، اور آپ کا یہی سونا ہماری نیند کے لیے نمونہ بن گیا، کہ ہم بھی سنّتِ نبوی ﷺ کے مطابق سوکر اپنی نیند کو عبادت کا ذریعہ بناسکیں، اور بقدرِ ضرورت سو کر ذہنی آرام وسکون حاصل کرکے تقویٰ وپرہیزگاری میں اِضافہ کرسکیں، نیز اُمورِ خلافت کو صحیح طَور پر انجام دے سکیں۔

اسی طرح نبیٔ کریم ﷺ نے شادی بھی کی، جس میں ہمارے لیے نمونہ اور سبق ہے کہ ہمیں کس طرح سے اُمورِ خانہ داری، اِزدِواجی زندگی وغیرہ اور دیگر معاملات ادا کرنا ہیں؛ کیونکہ اگر ان معاملات میں کوتاہی ہوگی تو نہ آدمی عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سُرخ رُو ہوسکے گا، اور نہ ہی عورتیں اپنے شوہروں کے حقوق سے بریُ الذِمّہ ہو پائیں گی، چنانچہ انسان اگر حضورِ اکرم ﷺ اور آپ کی پہلی زوجۂ محترمہ حضرت سیّدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مابین تعلقات میں غور کرے، تو اسے کامیاب اِزدِواجی زندگی کے اعلیٰ نمونے مل جائیں گے، کہ ایک باوفا بیوی کو مصیبت اور آزمائش کے وقت کیسا سُلوک کرنا چاہیے۔

Marfat.com

چنانچہ غَور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت سیّدہ خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے ابتدائے وحی کے وقت کس طرح سے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو نیک حصلتوں کی بشارت دی! کہ جب حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو پہلی وحی کے بارے میں بتایا اور فرمایا: «لَقَدْ خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي» "مجھے ڈر محسوس ہوتا ہے" تو انہوں نے تسلی دی اور کہا: آپ ہرگز خوف مت کیجیے! اللہ تعالی آپ کو کبھی رُسوا نہیں کرے گا؛ کیونکہ آپ تو صِلہ رِحمی کرتے ہیں، بے کسوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، مفلسوں کے لیے آپ کماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور آپ حق کا ساتھ دیتے ہیں"[1]۔

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب بدء الوحي، باب: كيف كان بدء الوحي... إلخ، ر: ۳، صـ۱، حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حدیث میں آیا: «أَتَى جِبْرِيلُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُولَ الله! هَذِهِ خَدِيجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِيهِ إِدَامٌ أَوْ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ، فَإِذَا هِيَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلاَمَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّي، وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ، لاَ صَخَبَ فِيهِ وَلاَ نَصَبَ» ("صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النّبي ﷺ خديجة وفضلها رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا، ر: ۳۸۲۰، صـ٦٤١) "حضرت سیّدنا جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام نبی صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے پاس آئے اور عرض کی: یارسولَ اللہ! یہ خدیجہ ہیں جو کھانا پانی لے کر آتی =

Marfat.com

اسی طرح سرکارِ دوعالَم ﷺ اور حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ طیّبہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مابین تعلقات میں بھی کامیاب اِزدِواجی زندگی کی تمنا کرنے والوں کے لیے بے شمار انمول ہیرے موجود ہیں، کہ ایک اچھا و کامیاب شَوہر کس طرح اپنی زَوجہ کو خوش رکھ سکتا ہے، چنانچہ حضرت سیّدہ عائشہ اپنی کمسنی کے سبب کبھی کبھار غصہ ہوجاتیں، یا کسی معاملے میں جلد بازی سے کام لیتیں، مگر حضور سرورِ کونین ﷺ نے اپنے حُسنِ اِفہام و تفہیم اور بہترین رَواداری کا مظاہرہ فرماتے ہوئے کبھی انہیں کبیدۂ خاطر نہیں ہونے دیا، حضرت سیّدہ عائشہ کی حدیث ملاحظہ فرمائیے! کہتی ہیں کہ میں ایک سفر میں حضور سیّدِ عالَم ﷺ کے ساتھ تھی، اور میں اُس وقت دُبلی پتلی لڑکی تھی، آپ نے لوگوں سے فرمایا: «تَقَدَّمُوا» "آگے بڑھو" جب لوگ آگے جانے لگے تو مجھ سے فرمایا: «تَعَالَيْ حَتَّى أُسَابِقَكِ» "آؤ دوڑنے میں مقابلہ کریں" مقابلہ ہوا تو میں جیت گئی، پھر بعد میں جب میرا وزن کچھ زائد ہوا، تو ایک سفر میں دوبارہ آپ ﷺ نے لوگوں کو فرمایا: «تَقَدَّمُوا» "آگے بڑھو" جب لوگ

=

ہیں، تو جب آئیں، انہیں ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام کہیے، اور جنّت میں انہیں ایک موتی سے بنے، آرام دہ گھر کی خوشخبری دیجئے"۔

Marfat.com

آگے جانے لگے تو مجھ سے فرمایا: «تَعَالَيْ حَتَّى أُسَابِقَكِ» "آؤ دوڑنے میں مقابلہ کیا جائے" مقابلہ ہوا مگر اب کی بار میں ہار گئی، آپ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: «هَذِهِ بِتِلْكَ»[1] "یہ اُس پہلی بار کا بدلہ ہو گیا"۔

اس واقعہ میں دو حالتیں بیان کی گئی ہیں، ایک حالت میں شَوہر کے لیے اس بات کی نصیحت ہے کہ وہ اپنی بیوی کی قلبی تفریح کو بھی ملحوظ رکھے، اور دوسری حالت میں بیوی کو یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے شَوہر کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ رکھے، اور اس کے طبعی رُجحانات کو سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ تعاوُن کرے۔

لہذا اگر نبیِ کریم ﷺ نے شادی نہ کی ہوتی، یا شادی کرنے والا انسان بن کر تشریف نہ لاتے، تو ہمیں اِزدِواجی زندگی کا سلیقہ اور خاندانی نظم ونسق کا کوئی ڈھنگ کیسے ملتا؟! ہم قُربِ خداوندی کے مستحق کیسے ہوتے، ایسے ہی تمام اَفعال واَعمال میں سمجھا جا سکتا ہے۔

---

(١) "مسند الإمام أحمد" مُسْنَدُ السَّيِّدَةِ عَائِشَةَ، ر: ٢٦٣٣٧، ١٠/ ١٢٧.

Marfat.com

حضور کی صورتِ بشریہ کا کمال

حضور ﷺ کی ذاتِ والا صفات تمام انسانوں سے جس خصوصیت کی وجہ سے ممتاز نظر آتی ہے، وہ آپ کا نورانی صفت والا ہونا ہے، صفتِ نورانی دو طرح کی ہوتی ہے، پہلی قسم: وہ جسے حاصل کرنے کی تمنا مخلوقات میں سے کوئی بھی نہیں کرتا، وہ ایسی نعمت ہے جس کے لیے اللہ تعالی نے اپنے حبیبِ کریم ﷺ کو چُن لیا ہے، کوئی انسان نہ تو اسے پا سکتا ہے، نہ اس تک پہنچ سکتا ہے، اس کی مثال ملاحظہ فرمائیں! جب اللہ کے حبیب ﷺ نے صومِ وِصال رکھنا شروع فرمایا، تو آپ کی اتّباع میں صحابۂ کرام نے بھی صومِ وصال رکھا، مگر جسمانی کمزوری کے سبب نماز میں غفلت ہونے لگی، لہذا سرکارِ اَبد قرار ﷺ نے صحابہ کو صَومِ وِصال سے منع فرمادیا، صحابہ نے وجہ پوچھی تو آقائے دوجہاں ﷺ نے فرمایا: «إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ»[1] "میں تمہاری طرح نہیں، میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" گویا کہ آپ نے بیان کر دیا کہ میرے صومِ وِصال کی الگ خصوصیت ہے، جسے صحابہ بھی نہیں پا سکتے۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الصّوم، باب الوصال، ر: ١٩٤٦، صـ٣١٦.

Marfat.com

اسی طرح جب حضرت سیّدہ عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ وتر کی نماز سے پہلے ہی آپ سوجاتے ہیں؟ تو رحمتِ عالمیان صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: «تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي»(١) "میری آنکھیں سوتی ہیں، میرا دل بیدار رہتا ہے"۔

یہی مضمون حضرت سیّدنا عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اپنی ایک حدیث میں بیان کیا کہ: وہ ایک رات اپنی خالہ اُمّ المؤمنین حضرت سیّدہ میمونہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے گھر تھے، رات میں رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کھڑے ہوئے، آپ نے لٹکے ہوئے مشکیزے سے مختصر وضو فرمایا، ابنِ عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کہتے ہیں: «فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخَذَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ أَتَاهُ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، فَخَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ» "میں نے بھی کھڑے ہو کر نبیِ کریم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی طرح کیا اور آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا، مگر آپ نے مجھے اپنے داہنے جانب کھڑا کر دیا اور نماز پڑھنے لگے، نماز سے فارغ ہو کر آپ سو گئے،

---

(١) "صحيح البخاري"، كتاب المناقب، ر: ٣٥٦٩، صـ٥٩٨.

Marfat.com

یہاں تک کہ صبح حضرت سیّدنا بلال نے اذان دی، تب آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور نمازِ فجر پڑھائی اور وضو نہیں فرمایا، حضرت سیّدنا سفیان نے فرمایا کہ یہ نبیٔ کریم ﷺ ہی کا خاصہ ہے؛ اس لیے کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضور ﷺ کی آنکھیں سوتی ہیں، ان کا دل بیدار رہتا ہے[1]۔

یہی وہ خصوصیت ہے جو ہمیں سکھا رہی ہے کہ "آپ ﷺ بھی سوتے تھے اور ہم بھی سوتے ہیں، اور ہم آپ ﷺ کے سونے کے طریقہ کو اپنی نیک نیّتی اور حُسنِ عمل کے لیے مشعلِ راہ بناتے ہیں، مگر ہماری نیند اور آپ کی مبارک نیند میں کوئی برابری نہیں؛ کیونکہ آپ فرماتے ہیں: «تَنَامُ عَيْنِي وَلاَ يَنَامُ قَلْبِي».

صفتِ نورانی کی دوسری شکل وہ ہے جس سے اُمّت کے بعض دوسرے اَفراد بھی سرفراز کیے جاتے ہیں، رسولُ اللہ ﷺ سے جس کا جتنا خاص تعلق ہوتا ہے، وہ اتنا ہی مستحقِ نور ہوتا ہے، یہ کمالات اور خصوصیات اُسے عطا کی جاتی ہیں جو سرکارِ دوعالَم ﷺ کی ظاہری صورتِ بشریہ کی اِقتداء کرتا ہے، اور آپ کے باطنی فضائل وکمالات کا دل سے معترف ہو، لہذا اگر ہمیں ایسی زندگی جینا ہے جو اللہ تعالی

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب صلاة المسافرين...، ر: ١٧٩٣، صـ٣١١ ملتقطاً.

Marfat.com

کی رِضا کے لیے ہو، تو زندگی کے تمام اُمور میں آپ ﷺ کی اِقتِداء اپنے لیے لازم کرنا ہوگی، چنانچہ ہمیں اپنی ظاہری زندگی کو رسولُ اللہ ﷺ کی ظاہری زندگی کے تابع کرنا ہوگا، اور اپنے باطن کو آپ ﷺ کی محبت، تعظیم اور ادب سے سنوارنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

مصطفی جانِ رحمت ﷺ سے محبت کمالِ ایمان ہے

آپ ﷺ کی محبت کے بغیر ایمان بھی مکمل نہیں ہوتا، جیسا کہ حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِين»[1] "تم میں کوئی اُس وقت تک مؤمنِ کامل نہیں ہو سکتا جب تک میں اُسے اُس کی اولاد، اس کے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"، ایک بار آپ ﷺ کی بارگاہ میں حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسولَ اللہ ﷺ! میں اپنی جان کے علاوہ تمام چیزوں سے زیادہ آپ سے محبت

---

(١) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب وجوب محبّة رسول الله ﷺ أكثر من الأهل والولد والوالد والنّاس أجمعين، ر: ١٦٩، صـ٤١.

Marfat.com

کرتا ہوں، نبیٔ کریم ﷺ نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ عنده أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ» "تم میں سے کوئی اُس وقت تک مؤمنِ کامل نہیں ہوسکتا، جب تک میں اُسے اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں"، حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی: یارسولَ اللہ ﷺ! خدا کی قسم! اب میں اپنی جان سے بھی زیادہ آپ سے محبت کروں گا، رسولُ اللہ ﷺ نے فرمایا: «الْآنَ يَا عُمَر»[1] "اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہوگیا"۔

اس واقعہ میں غَور کا مقام ہے! کہ حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فضائل ومراتب کے اُس رُتبہ پر فائز ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو شَوکت وغلَبہ عطا فرمایا، جنہوں نے نبیٔ کریم ﷺ کی کامل اتّباع وپیَروی کی، جہاد بھی کیا، ہجرت بھی کی، دن کے روزے بھی رکھے، راتوں کا قیام بھی کیا، مگر ان اَعمال واَفعال کے سبب بھی ان کا ایمان مکمل نہ ہوا، جب تک کہ حضورِ اکرم ﷺ کو اپنی جان سے زیادہ محبوب نہ بنالیا۔

---

(١) "مسند الإمام أحمد" مُسْنَدُ الشَّامِيِّينَ، حَدِيثُ عَبْدِ اللهِ بْنِ هِشَامٍ جَدِّ زُهْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رضي الله عنهم، ر: ١٨٠٦٩، ٦/ ٣٠٣.

Marfat.com

چنانچہ محبت کا معنی محض ظاہری اتّباع اور پیَروی نہیں، صِرف اتّباع کے ذریعے مطلوب کی حقیقت کا پھل نہیں ملتا، جب تک اسے محبت کی زمین میں نہ بویا جائے، اتّباع اور پیَروی ایک درخت کی مانند ہیں، آپ انہیں محبت کی زمین میں بوئیں یا کسی اَور زمین میں، لیکن اگر محبت کی زمین میں اس درخت کو نہ لگایا گیا، تو اتّباع کرنے والے کو ایمان کا کمال نصیب نہیں ہوسکتا، وہ محض ظاہری نقل کرنے والا ہے۔

محبت دراصل باطنی کیفیت کا نام ہے، جس سے دل محبوب کی طرف مائل ہوجاتا ہے، اور جب محبت بڑھتی ہے تو محبت کرنے والے کو محبوب کی ہر شَے کا گرویدہ بنادیتی ہے، یہاں تک کہ جب وہ مکمل ہوجائے اور اپنی جان سے بھی قوی تَر ہوجائے، تو نتیجہ میں محِب کو تین چیزیں حاصل ہوتی ہیں، جو تبلیغِ دین کے سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں: (۱) اتّباع، (۲) خدمت، (۳) اِیثار، یہ تین چیزیں بھی محبت کی مقدار کے اعتبار سے ہی حاصل ہوتی ہیں، چنانچہ جب محبت کامل ہوکر دل میں گھر کرلیتی ہے، تو اتّباع، خدمت اور عطا کا جذبہ بھی مضبوط تَر ہوجاتا ہے۔

محبت باطنی کیفیت کا نام ہے، اس کو مزید سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ملاحظہ فرمائیے! ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ

Marfat.com

لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾[1] "آپ فرمادیجیے کہ: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتّباع کرو، اللہ تم کو محبوب رکھے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا" اور یہ حدیثِ پاک بھی:

«لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ عنده أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ».

آیتِ مبارکہ میں غَور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اپنے حبیب کریم ﷺ کی اتّباع کو اپنی محبت کی دلیل قرار دیا ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا کہ فقط میری سنّت کی، یا میری شریعت کی، یا میرے کلام کی اتّباع کرو، بلکہ فرمایا: "میری اتّباع کرو" یعنی رسولُ اللہ ﷺ کی مکمل طریقے سے پیَروی کرو، ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی۔

محبت کا یہ باطنی مفہوم کیسے پیدا ہوتا ہے؟ بلاشبہ یہ رسولُ اللہ ﷺ کی نورانی خصوصیت کے مشاہَدے اور ان کی اتّباع سے پیدا ہوتا ہے، ابھی آپ نے پڑھا ہے کہ حضورِ اکرم ﷺ کی محض انسانی صورت کی مماثلت کا اِنحصار ہی کفّار کو اسلام قبول کرنے سے روک رہا تھا، جبکہ بعض نام نہاد مسلمانوں کے ایمان میں ترقی اور ان کی نیکیوں میں اِخلاص بھی محض اسی لیے پیدا نہیں ہو پاتا، آج جو لوگ آپ

---

(۱) پ۳، آل عمران: ۳۱.

Marfat.com

ﷺ کی صِرف بشریت ہی کو ملحوظ رکھتے ہیں، ان کے اور ابوجَہل وابولَہب کے درمیان کیافرق رہ گیا! اِس لیے کہ ابوجَہل وابولَہب نے بھی حضور ﷺ کوصِرف ابوطالب اور ابن ابی کبشہ کا پَروَردَہ ہی سمجھا، صِرف ایک کھانے پینے، چلنے پھرنے والاانسان ہی جانا۔

لیکن جب ایک مؤمن اپنے آقا ومولا ﷺ کو دیکھتا ہے توانسانِ کامل اور آپ کی تمام تر خصوصیات کے ساتھ دیکھتا ہے، ایک عاشقِ رسول کی پہچان یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ یارسولَ اللہ ﷺ! میں تمام چیزوں میں آپ کی اتّباع کرتا ہوں؛ تاکہ میرا کھانا پینا، میرا سونا جاگنا، میرا پہننا اَوڑھنا، میرا اٹھنا بیٹھنا، میری خوشی، میری ناراضگی، یہاں تک کہ میری پوری زندگی آپ کی سنّت کے مطابق ہوجائے۔

پھر اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ظاہر ہے کہ جب کوئی بندۂ مؤمن اس ادب واحترام اور کامل سچائی واِخلاص کے ساتھ آپ ﷺ کی پیَروی کرے گا، آپ کی مبارک زندگی کواپنے لیے نمونہ بنائے گا، اس پر کمالات وخصوصیات کی تجلیاں اَبرِ باراں بن کرنازل ہوں گی، اور آپ ﷺ کے نور سے اس کادل معمور ہوجائے گا۔

ایک بات اگر میں پُوچھوں کہ انبیائے کِرام علیہم السلام کے بعد افضل ترین کون لوگ ہیں؟ توبلاشک وشبہ یہی جواب ہوگا کہ صحابۂ کِرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

Marfat.com

کی جماعت ہے، اور کیا تابعینِ کِرام میں کوئی کسی اَعرابی صحابی سے زیادہ عالِم اور عبادت گزار نہیں تھا؟ حضرت سیّدنا حسنِ بصری کے علم سے کس کو اِنکار ہو سکتا ہے! اسی طرح حضرت سیّدنا ثابت بُنانی کے تقویٰ وطہارت کا کسے علم نہیں! جو روزانہ مکمل قرآنِ پاک کی تلاوت کرتے، اور ہر رات تین سَو ۳۰۰ رکعت نماز ادا کرتے تھے[1]۔

چنانچہ کتبِ احادیث میں ایک اَعرابی صحابی کا ذکر ملتا ہے، جو کچھ اہم چیزیں رسولُ اللہ ﷺ سے پوچھنے آئے تھے، ان کا حُلیہ بھی صحابہ نے بیان کیا ہے، "صحیح بخاری" میں ہے کہ نجد کا ایک شخص جس کے بال گرد آلود، آواز بھاری بھرکم، اور زبان ہماری سمجھ سے بالاتر تھی، رسولُ اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے اسلام کے بارے پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا: «خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ» "دن ورات میں پانچ نمازیں فرض ہیں" پھر اس نے پوچھا کہ نماز کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ» "نہیں، سوائے نوافل کے" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: «وَصِيَامُ رَمَضَانَ» "رمضان کے

---

(١) "صفة الصفوة"، ذكر المصطفين من أهل البصرة من التابعين ومن بعدهم فمن الطبقة الأُولى، تحت ر: ٥١٥، ٣/ ٢٦١ ملتقطاً.

Marfat.com

روزے" اس نے پوچھا کہ اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا: «لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ» "نہیں، سوائے نفل کے" اور زکات کے بارے میں بھی اسے آگاہ فرمایا، اس نے پوچھا کہ اس کے علاوہ بھی کچھ ہے؟ آپ نے فرمایا: «لَا، إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ» "نہیں، سوائے نفل کے" اس کے بعد وہ شخص یہ کہتے ہوئے چلا گیا کہ: خدا کی قسم! میں اِس میں نہ کوئی زیادتی کروں گا اور نہ کوئی کمی، رسولُ اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ»(۱) "اگر اس نے اپنی بات سچ کر دکھائی تو کامیاب ہو گیا"، دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ سَرَّهُ أَن يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا»(۲) "اگر کسی کو جنتی آدمی دیکھنا ہو تو وہ اس شخص کو دیکھ لے"۔

اب اہلِ سنّت وجماعت کے نزدیک یہ تابعینِ کِرام، یعنی حضرت سیّدنا حَسن بَصری جن کا علم ہمارے لیے رہنما کی حیثیت رکھتا ہے، اور حضرت سیّدنا ثابت بُنانی جو کثیر العبادت ہیں، کیا اس اعرابی صحابی سے افضل ہیں؟ جس نے صرف

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الإيمان، باب: الزكاة من الإسلام، ر: ٤٦، صـ١١.

(۲) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب بيان الإيمان...، ر: ١٠٧، صـ٢٨.

Marfat.com

فرائض کی پابندی اور محرّمات سے دُوری اختیار کی ہے! یقیناً ہمارا جواب نفی میں ہوگا! بلکہ وہ اَعرابی صحابی اِن حضراتِ سے افضل ہیں؛ کیونکہ صحابی کو رسولُ اللہ ﷺ کی صحبت کا شرف حاصل ہے، اور صحبت کی خصوصیت اور صحابی ہونے کی فضیلت کیا ہے؟ یہی تو ہے کہ صحابی محض رسولُ اللہ ﷺ کے ساتھ قُرب کے سبب دیگر تمام مسلمانوں سے ممتاز ہوگیا، اسی لیے علمائے کِرام نے فرمایا کہ: "صحابی وہ ہے جس نے رسولُ اللہ ﷺ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو، اور ایمان ہی کی حالت میں اُس کی وفات ہوئی ہو" یہ کمال اس لیے حاصل ہوا کہ جب صحابۂ کِرام نے آپ ﷺ کی بشری صورت کا مشاہَدہ کیا تو انہیں آپ کے رُخِ زیبا نے گرویدہ کرلیا، اور آپ کے انوار و تجلیات سے ان کی نگاہیں آسودہ ہوگئیں، آپ کی شیریں کلامی نے ان کے مشامِ جاں کو معطّر کردیا، یہاں تک کہ ان کی زبانوں پر بے ساختہ دُرود و سلام کے ترانے جاری ہوگئے، اور جب صحابۂ کِرام نے اپنی زندگی کے لیے آپ ﷺ کی حیاتِ طیّبہ کو مشعلِ راہ بنالیا، تو انہیں معراجِ انسانیت بھی نصیب ہوئی، اور ان کے دل رسولُ اللہ ﷺ کے انوار و تجلیات سے روشن بھی ہوگئے۔

Marfat.com

سرکارِ دوعالَم ﷺ سے وابستگی حصولِ اعلیٰ درجات کا سبب ہے

بدیہی بات ہے کہ آپ ﷺ کے کمالات کی معرفت کا ادنیٰ درجہ یہ ہے، کہ مسلمان آپ ﷺ کی نبوّت ورسالت کی گواہی دے، اور آپ کے خاتم الانبیاء ہونے پر ایمان رکھے، آپ ﷺ کو تمام مخلوقات سے افضل جانے، اتنا جانتے ہوئے بھی وہ ایمان والا تو ضرور ہے، اگرچہ وہ آپ ﷺ کی دیگر خصوصیات اور فضائل وکمالات سے آشنائی نہ رکھتا ہو، مگر آپ ﷺ کے جملہ کمالات کی معرفت کے لحاظ سے مسلمانوں کے مراتب مختلف ہوا کرتے ہیں۔

جو اعرابی صحابی رسولُ اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے، انہیں آپ ﷺ کی دیگر خصوصیات کے بارے میں علم نہیں تھا، بس وہ اتنا جانتے تھے کہ آپ اللہ تعالی کے رسول ہیں، جیسا کہ "صحیح مسلم" میں حضرت سیّدنا انس سے مروی ہے: "ایک وقت تھا کہ ہمیں رسولُ اللہ ﷺ سے کچھ پوچھنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن ہمیں تعجب ہوا کہ ایک عقلمند دیہاتی آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، سوال کیا اور ہم سنتے رہے، اس نے پوچھا: اے محمد! ہمارے پاس آپ کا قاصد آیا، جس نے ہمیں بتایا کہ آپ کا یہ خیال ہے کہ: اللہ تعالی نے آپ کو بھیجا ہے! آپ نے فرمایا: «صَدَقَ» "اُس قاصد نے سچ کہا" اُس نے پوچھا: آسمان کس نے بنایا؟ آپ نے

Marfat.com

جواب دیا: «اللہ» "اللہ نے "اُس نے سوال کیا: زمین کس نے بنائی؟ آپ نے جواب دیا: «اللہ» "اللہ نے " اس نے پوچھا: ان پہاڑوں کو کس نے نصب کیا؟ اور اس میں چیزوں کو کس نے بنایا؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: «اللہ» "اللہ نے "اُس نے پوچھا: جس نے آسمان وزمین کی تخلیق فرمائی اور ان پہاڑوں کو نصب کیا ہے، کیا اُسی اللہ نے آپ کو بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: «نَعَمْ» "ہاں اُسی نے بھیجا ہے"، پھر اس اعرابی نے کہا: آپ کے قاصد نے ہمیں یہ بھی خبر دی کہ ہم پر دن ورات میں پانچ وقت کی نمازیں فرض ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَ» "اس قاصد نے سچ کہا" اس شخص نے پوچھا: جس خدائے تعالی نے آپ کو بھیجا ہے، کیا اُسی نے اس کا حکم دیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» "ہاں اُسی نے حکم دیا ہے" اس اعرابی نے کہا: آپ کے قاصد نے ہمیں یہ بھی خبر دی کہ ہم پر ہمارے اَموال میں زکات بھی فرض ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَ» "اس قاصد نے سچ کہا" اس شخص نے پوچھا: جس خدائے تعالی نے آپ کو بھیجا ہے، کیا اُسی نے اس کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» "ہاں اُسی نے حکم دیا ہے" اس نے کہا: آپ کے قاصد نے ہمیں یہ بھی خبر دی کہ ہم پر سال میں ماہِ رمضان کے روزے بھی فرض ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَ» "اس نے سچ کہا" اس

Marfat.com

شخص نے پوچھا: جس خدائے تعالی نے آپ کو بھیجا ہے، کیا اُسی نے اس کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» "ہاں اُسی نے حکم دیا ہے" اس نے کہا: آپ کے قاصد نے ہمیں یہ بھی خبر دی کہ ہم میں جو حج کی استطاعت رکھتا ہے اُس پر حج فرض ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: «صَدَقَ» "اس نے سچ کہا" (راویٔ حدیث نے کہا:) وہ شخص یہ کہتے ہوئے واپس ہوا کہ قسم ہے اُس رب تعالی کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! ان فرائض میں نہ تو میں زیادتی کروں گا اور نہ ہی کمی کروں گا، رسولُ اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ»(۱) "اگر اس نے اپنی بات سچ کر دکھائی تو ضرور جنّت میں داخل ہوگا"۔

اس حدیثِ پاک سے واضح ہوا کہ وہ اعرابی صحابی رسولُ اللہ ﷺ کی دیگر خصوصیات کے بارے میں نہیں جانتے تھے، بس آپ ﷺ کے رسول ہونے کا انہیں علم تھا، اسی لیے مختلف فرائض کے بارے میں سوالات کیے اور ان کی تصدیق چاہی، اور معرفت کے پہلے زینے تک رَسائی ہونے کی وجہ سے اِقرار کرتے

---

(۱) "صحيح مسلم" كتاب الإيمان، باب السؤال...، ر: ۱۰۲، صـ۲۷.

Marfat.com

ہوئے واپس ہوئے؛ تاکہ ان کا دل رسولُ اللہ ﷺ کی دیگر خصوصیات کا مشاہَدہ کرسکے، چنانچہ جنّت کی خوشخبری بھی مل گئی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ سب سے کم عمل والے صحابی نے پہلے خصوصیتِ رسول کے ایمان کے ابتدائی مقدمات حاصل کیے، جب اُن کی بشریت رسولُ اللہ ﷺ کی بشریت سے مانوس ہوئی، تب حضورِ اکرم ﷺ کی خصوصیت کا نور اُن کی بشریت میں سرایت کرگیا، جو دیگر صحابہ کے دلوں میں بھی حضور ﷺ کی خصوصیت کا عقیدہ اُترا چکا تھا، اسی تعلق کی بِنا پر انہوں نے عظیم ترین مراتب حاصل کر لیے۔

جب ہم اِن مَعانی میں غَور کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اَنوارِ محمدیہ سے اکتسابِ فیض، آپ سے محبت کی مقدار کے اعتبار سے ہی ممکن ہے، جیسا کہ صحابۂ کِرام نے آپ ﷺ کے کمالات کا مشاہَدہ کیا، آپ کے معجزات، اَخلاق و معاملات، آپ کی رحمتوں، شفقتوں، آپ کی عاجزی وانکساری اور آپ کے زُہد و تقویٰ کے بے مثال کارناموں کو دیکھا اور ان کی گواہی دی، مگر اُن کے مراتب انہیں خصوصیات کی معرفت کے اعتبار سے تھے، جس نے جتنا سمجھا اتنا ہی وہ بلند مرتبے پر فائز ہوتا گیا۔

مثال کے طَور پر حضرت سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام صحابۂ کِرام پر فضیلت، ان کے فہمِ مراتب کے حساب سے تھی، جیسا کہ "بخاری شریف" کی

Marfat.com

حدیث ہے: حضرت سیّدنا ابو سعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا: «إِنَّ اللهَ سبحانه خَيَّرَ عَبْداً بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ، فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللهِ» "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دنیا وآخرت میں سے ایک کا اختیار دیا، تو اس بندے نے آخرت کو پسند کیا، یہ سُن کر حضرت سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے، راویٔ حدیث حضرت سیّدنا ابو سعید خُدری فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں سوچا: "اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو دو چیزوں میں سے ایک کے پسند کرنے کا اختیار دیا، اور اس نے اللہ تعالیٰ کے قریب والی چیز کو پسند کیا، تو کونسی چیز اس بزرگ صحابی کو رونے پر مجبور کر رہی ہے ؟! بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بندہ خود رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے، اور سیّدنا ابوبکر چونکہ ہم میں سب سے زیادہ علم والے تھے، چناچہ انہوں نے حضور کی زبانِ اَقدَس سے کلمات ادا ہوتے ہی سمجھ لیا کہ اب حضور کا وقتِ وصال قریب ہے، رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں روتے دیکھا تو فرمایا: «يَا أَبَا بَكْرٍ لاَ تَبْكِ!، إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِيلاً مِنْ أُمَّتِي لاَتَّخَذْتُ

Marfat.com

أَبَا بَكْرٍ، وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الإِسْلاَمِ وَمَوَدَّتُهُ، لاَ يَبْقَيَنَّ فِي المَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ»[1] "اے ابوبکر مت رو! تم نے اپنی مصاحبت اور اپنے مال کے ذریعہ مجھ پر تمام لوگوں سے زیادہ اِحسان کیا ہے، اگر میں اپنی امّت میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلام میں بھائی چارگی اور محبت ہی کافی ہے، میری مسجد میں کھلنے والے تمام حجروں کے دروازے بند کر دیے جائیں، مگر ابوبکر کے حجرے کا دروازہ بند نہ کیا جائے"۔

مصطفی کریم ﷺ کا فیض زمان ومکان پر بھی ہے

رحمتِ عالَمیان ﷺ کی خصوصیات کی تجلیاں اُن زمان ومکان میں بھی سرایت کی ہوئی ہیں، جو آپ ﷺ کی بارگاہ سے قُربت کا شرف رکھتے ہیں، چنانچہ حبیبِ پاک ﷺ سے تعلق کی بِنا پر بعض اوقات دیگر بعض پر فضیلت رکھتے ہیں، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ،

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الصّلاة، باب الخوخة...، ر: ٤٦٦، صـ٨٠، ٨١.

Marfat.com

وَيَمِينُهُ شَهَادَتَه»[1] "سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر جواُن کے بعد آنے والے ہیں، پھر جواُن کے بعد آنے والے ہیں، پھر ایک ایسی قوم آئے گی جن کی گواہی قسم سے، اور اُن کی قسم گواہی سے دُور ہوگی"۔

نیز وہ شہر بھی فضیلت والا بن گیا جس میں آپ ﷺ کی پیدائش اور نشونما ہوئی، جیساکہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالی نے اُس شہر کی قسم ارشاد فرمائی جہاں محبوبِ کریم جلوہ گر تھے، فرمایا: ﴿لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ (١) وأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ﴾[2] "مجھے اُس شہر کی قسم کہ اے حبیب! آپ اس شہر میں تشریف فرماہیں"۔

جس شہر کی طرف آپ ﷺ نے ہجرت کرکے اُسے اپنا مسکن بنایا، وہ سرزمین بیماریوں کی آماجگاہ تھی، مگر وہ آپ ﷺ کے وُرودِ مسعود کی برکت سے تمام بیماریوں سے پاک ہو کر طیبہ ہوگئی، یہاں تک کہ اس ارضِ مقدّسہ کا پُرانا نام "یثرب" ذکر کرنے سے احادیثِ مبارکہ میں منع فرمایا گیا، بعض علمائے کِرام نے مستحب قرار دیا کہ اگر مدینہ منوّرہ کا ذکر ہو رہا ہو، اور کسی کی زبان پر لفظ

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب فضائل أَصحاب النّبي...، ر: ٣٦٥١، صـ٦١٢.

(٢) پ٣٠، البلد: ١، ٢.

Marfat.com

"یثرب" آجائے تو وہ توبہ کر لے؛ کیونکہ حضرت سیّدنا بَراء بن عازِب کی حدیث ہے: رسولُ اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ سَمَّى الْمَدِينَةَ يَثْرِبَ فَلْيَسْتَغْفِرِ اللهَ ﷻ، هِيَ طَابَةُ، هِيَ طَابَةُ»[1] "جس نے مدینہ منوّرہ کو یثرب کہا وہ اللہ تعالی کی بارگاہ میں توبہ کرے، مدینہ توطابہ ہے، وہ توطابہ ہے"۔

جب اس مفہوم تک ایک مسلمان کی رَسائی ہوجاتی ہے، جب اس پر یہ حقیقت آشکار ہوجاتی ہے کہ بشریت میں آپ ﷺ کا کوئی مثیل نہیں، تو پھر اسے رسولُ اللہ ﷺ سے تعلق کے نتیجے میں ایک دوسرے مفہوم کا اِدراک ہوتا ہے، اور وہ دوسرا مفہوم وحیٔ الٰہی کا راز ہے، جو آپ ﷺ کے سینے مبارک میں اُتارا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیں آپ ﷺ کے فضائل ومناقب اور سیرتِ طیّبہ پر مشتمل کتابوں کا مطالعہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، پھر ہم اس کی روشنی میں آپ ﷺ کی سنّتِ مبارکہ کو اپناتے ہیں؛ تاکہ ہمارا قلبی رشتہ وتعلق آپ ﷺ سے

---

(١) "مسند الإمام أحمد" مُسْنَدُ الكوفيّين، حَدِيثُ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، ر: ١٨٥٤٤، ٦/٤٠٩.

Marfat.com

قائم ہو جائے، اور جب یہ تعلق اُستوار ہوجائے گا توہمارا ایمان بھی مکمل ہوجائے گا، اور تکمیلِ ایمان کے بعد اس وحیٔ الٰہی کا راز بھی ہم پر منکشف ہوجائے گا، جس کا رُوئے خطاب ہماری طرف ہے: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ﴾.

مفہومِ توحید کی حقیقی معرفت اور رسولُ اللہ ﷺ سے اس کا رشتہ

جب ہم آیتِ مبارکہ: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ میں غور کرتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ اللہ عزّوجلّ نے: "أنما إلهي إلهٌ واحدٌ" نہیں فرمایا، ورنہ توحید کی معرفت اور دلی کیفیت کے درمیان یک گونہ اِنقطاع واقع ہوجاتا، یا ایک اعتبار سے سلوک اور دوسرے اعتبار سے ہماری واقعی زندگی کے درمیان انفصال ہوجاتا، اور یہ ایک ایسا بُحران ہے کہ دَورِ حاضر میں اسلام کی خدمت کرنے والے بعض حضرات بھی اس سے دوچار ہیں، اور اس مفہوم تک اُن کی رَسائی نہیں ہو پا رہی، چنانچہ کچھ لوگوں نے توحید کو زندگی سے جُدا کر رکھا ہے؛ تاکہ وہ لوگوں سے کہہ سکیں کہ "یہ شرک ہے، یہ شیوۂ ایمانی کے خلاف ہے، یہ شرک کے اَسباب میں سے ہے، یہ شرک کی طرف لے جاتا ہے، یہ شرک کا پیش خیمہ ہے" یہاں تک کہ زندگی کے جملہ اُمور کو ایسے اَلفاظ کے پیکر میں ڈھال دیا جن سے عقیدۂ توحید اور ایمان کا بیان ہوتا ہے۔

Marfat.com

لیکن جو شریعت اللہ کے حبیب ﷺ لے کر آئے، وہ ایسی نہیں تھی، اور نہ ہی کسی صحابی کو یہ حق تھا کہ وہ توحید میں رَبوبیت واُلوہیت اور اَسماء وصفات کی قِسم متعین کرے؛ کیونکہ ایسی کوئی روایت صحابہ، تابعین یا تبع تابعین سے نہیں ملتی ہے؛ اس لیے کہ توحید کی حقیقت ان کے دلوں میں راسخ تھی، جسے انہوں نے کلمۂ توحید "لا إلهَ إلاّ اللهُ محمّدٌ رسولُ الله" سے حاصل کیا تھا، لہذا انہوں نے غَور کیا کہ اللہ تعالی نے اسلام میں داخل ہونے کے لیے شہادتَین (توحید ورسالت کی گواہی) کی شرط کیوں لگائی؟ تو پتا چلا کہ توحید کی حقیقت اُس ذات کے واسطے کے بغیر دلوں میں جاگزیں نہیں ہوسکتی، جسے پروردگارِ عالَم جلّ جلالہ نے انسانِ کامل کے طَور پر ہمارا اِمام اور رَہنما قرار دیا ہے۔

لہذا جب انسان اپنا عقیدہ یہ بنا لے کہ جنابِ احمدِ مجتبی ﷺ اللہ تعالی کے سچے رسول ہیں، تو اس اِعتِقاد اور ایمان کی بِنا پر اُن کی محبت اور اُن کی بارگاہ سے تعلّق مرتّب ہوجاتا ہے، پھر انسان اپنی زندگی کا رشتہ سرکارِ ابد قرار ﷺ سے جوڑ لیتا ہے، اور جب یہ رشتہ اُستوار ہوجاتا ہے تو انسان توحید کی حقیقی معرفت تک رَسائی حاصل کر لیتا ہے، اسی لیے اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ﴾ یعنی تم سے خطاب ہے، اور یہ کہ جو وحی آپ ﷺ کے پاس آئی ہے

Marfat.com

اس کا رُوئے خطاب اُن کے علاوہ دوسروں کی طرف ہے، اور آپ ﷺ کی بشریت کی ظاہری اِقتِداء اور آپ کی خصوصیت کا اِعتِقاد کیے بغیر دلوں میں توحید کا حقیقی معنی راسخ ہونا ممکن نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس کا نام علمِ توحید یا علمِ عقیدہ نہیں رکھا گیا؛ کیونکہ اس کا وجود قرونِ اُولیٰ کے بعد ہوا ہے، اور اِصطِلاح میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ اس کا نام ایمان ہے، بعد میں توحید نام رکھا گیا ہے؛ اس لیے کہ ایمان جس چیز کو دل میں داخل کرتا ہے وہ توحید ہے، اور اس کا ایک نام عقیدہ بھی ہے؛ کیونکہ اس کی تصدیق باطن میں ہوتی ہے، لیکن اصل ایمان ہی ہے، یعنی دل میں راسخ ہونے والی چیز مرتبط ہے حضورِ اکرم ﷺ کی محبت اور ان کی تعظیم کے ساتھ۔

اسی طرح نبیٔ کریم ﷺ سے توحید حاصل کرنے والوں میں سب سے بڑا مرتبہ صحابۂ کِرام کا ہے؛ اس لیے کہ ان حضراتِ قدسیہ کی توحید نے ان کے دلوں کو حضورِ اکرم ﷺ کی محبت کا مدینہ بنا دیا، یہاں تک کہ ہر صحابی حضور

Marfat.com

سرورِ کونین ﷺ کے وضو سے ٹپکنے والے پانی کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا[1]۔

ان تمام چیزوں کے ذکر کرنے کی ہمیں ضرورت اس لیے ہے؛ کہ ہم وہ بڑا فرق جان سکیں جو حضور تاجدارِ رسالت ﷺ سے تعلق کے سلسلے میں ہمارے اور صحابۂ کِرام کے درمیان ہے، جس کے سبب وہ حضرات وضو کے پانی کے لیے ٹُوٹ پڑتے تھے، چنانچہ وہ فرق اس بِنا پر ہے کہ ان کی نظر حضور

---

(۱) یہ مضمون مسور بن مخرمہ اور مَروان بن حکم کی حدیث میں آیا ہے، اور دونوں ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں، امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں كتاب الشّروط، باب الشّروط في الجهاد والمصالَحة مع أهل الحرب وكتابة الشّروط، ر: ۲۷۳۱، ۲۷۳۲، صـ٤٤٧، ٤٤٨ میں اس کی تخریج کی ہے، اور اس میں عروہ بن مسعود ثقفی کا قول بیان کیا گیا ہے: «وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ، وَإِذَا تكَلَّمُوا خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ، وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيماً لَه» "جب آپ ﷺ وضو کرتے تو صحابۂ کِرام آپ کے وضو کا پانی لینے کے لیے لڑنے کے قریب ہوتے، اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں جب صحابۂ کِرام گفتگو فرماتے تو اپنی آوازوں کو پست کر لیتے، اور آپ ﷺ کی تعظیم کی خاطر اپنی نگاہوں کو آپ ﷺ کی طرف تیز نہ اُٹھاتے تھے"۔

Marfat.com

تاجدارِ رسالت ﷺ کی بشریتِ طیبہ کی طرف اُس نظر سے ہٹ کر تھی، جس کا مقصد مسلمانوں کے درمیان انتشار پھیلانا ہے۔

رسالت کا تعلق رسول سے اور ذمہ داری کا تعلق محبت سے

یہاں دو مفہوم پر رَوشنی ڈالنا ضروری ہے: (۱) رسول سے رسالت کے تعلق کی حقیقت، (۲) محبت سے ذمہ داری کے تعلق کی حقیقت۔

اوّل: صحابۂ کِرام کہتے ہیں: ہمارا ایمان ہے کہ "حضورِ اکرم ﷺ اللہ تعالی کے سچے رسول ہیں، اور ان کی محبت کے بغیر بندے کا ایمان درست نہیں ہوسکتا، ہم اپنی اولاد، اپنے ماں باپ اور اپنے جان ومال سے زیادہ ان سے محبت کرتے ہیں" جبکہ آج بقولِ بعض ایمان یہ ہے کہ "رسولُ اللہ ہمارے پاس توحید کا پیغام لائے، اور آپ ﷺ بشر ہیں، آپ نے پیغام پہنچا دیا اور اللہ تعالی نے کسی بشر کے لیے دنیا میں ہمیشگی نہیں رکھی، یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ اپنا پیغام اور اپنی سنّتِ مبارکہ ہمارے درمیان چھوڑ کر دنیا سے تشریف لے گئے؛ تاکہ ہم اس پر عمل کریں، لہذا آپ ﷺ کی ذات وصفات میں مبالَغہ آرائی کس بات پر؟ اور آپ کی تعریف میں حَد سے تجاوُز کیوں؟ کیا ہمارے لیے یہ زیادہ ضروری نہیں کہ ہم آپ کے لائے ہوئے پیغام کی طرف توجہ دیں؟!" اس کلام کی

Marfat.com

دَلالت حضور ﷺ کی طرف اس طَور پر ہے گویا کہ "آپ ایک قاصد تھے، ہمیں خط دیا، ہم نے اُن سے لیا اور وہ چلے گئے، اب ہم پر ضروری ہے کہ ہم اس پیغام سے مطلب رکھیں، نہ کہ پیغمبر سے"۔

لیکن قرونِ اُولیٰ سے صحابۂ کرام اور سلَفِ صالحین کا عمل ایسا غلط معنی نہیں بتاتا، انہوں نے حضورِ اکرم ﷺ کا مُوازنہ اس طَور پر نہیں کیا کہ "آپ کا کام پیغام پہنچانا تھا، پیغام پہنچایا اور چلے گئے"، بلکہ اَسلافِ کِرام کا عمل یہ بتاتا ہے کہ پیغام کسی بھی صورت میں پیغمبر سے جُدا نہیں ہو سکتا ہے۔

صحابۂ کِرام نے حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ مکمل تعلق رکھا، اس لیے کہ جس نظر سے وہ حضور ﷺ کو دیکھا کرتے تھے، وہ آج کی رائج بعض لوگوں کی نظر سے مختلف تھی، لوگ کہتے ہیں کہ "حضور ﷺ کی تعریف میں مبالَغہ مت کرو، غُلو مت کرو، حَد سے تجاوُز مت کرو" میں اُن سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم وہ حَد جانتے ہو؟ کہ دوسروں پر حَد سے تجاوُز کا اِلزام لگاتے ہو! اور وہ حَد کیا ہے جس کے بارے میں گفتگو کرتے ہو؟ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾[1]

(١) پ٢٧، الطور: ٤٨.

Marfat.com

"آپ ﷺ ہماری نگہداشت میں ہیں" میں یہ حَد کہاں ہے؟ کیا ان صحابۂ کِرام کے قول وفعل میں یہ پابندی ہے جو حضورِ اکرم ﷺ کے آثارِ مبارکہ سے برکت حاصل کرتے تھے؟ اور منبر شریف پر آپ کے موضعِ قیام پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے، اور منبر شریف کے زینے کو برکت کے لیے مَس کرتے تھے[1]۔

---

(۱) دیکھو امام ابن عبدالبرّ نمری قُرطبی کی کتاب "التمهيد"، حَدِيثٌ ۳۵، تحت ر: ۸۳۷، ۲۳/ ۳۱۵ میں روایت ہے یحیی بن سعید الاَنصاری سے، وہ روایت کرتے ہیں محمد بن ابراہیم الحرث سے [جو مدینہ کے ثقہ راویوں اور تابعین محدثین میں سے ایک ہیں] کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وَقاص اور عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ ان دونوں نے منبر کا بوسہ لیا، پھر واپس ہوئے۔

ابنِ سعد کی "الطبقات الكبرى"، ذكر منبر رسول الله ﷺ، ۱/ ۱۷۳ دیکھو، روایت کرتے ہیں ابراہیم سے، وہ روایت کرتے ہیں عبدالرحمن بن عبدالقاری سے کہ: انہوں نے عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ آپ نے رسولُ اللہ ﷺ کے منبر شریف پر بیٹھنے کی جگہ کو ہاتھ سے چُھوا اور اپنے چہرے پر مل لیا۔

اور یزید بن عبداللہ بن قُسیط سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابۂ کِرام کو دیکھا کہ وہ جب مسجد سے نکلتے تو منبر شریف کے زینہ کو بوسہ دیتے، پھر =

Marfat.com

دُوم: عام طَور پر اس مفہوم کے قائلین کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ "ہم اپنے نبی ﷺ سے محبت کرتے ہیں، ان کی تعظیم کرتے ہیں، اور ان کے آثارِ طیّبہ کی برکت تلاش کرتے ہیں" یہ سب کچھ بہت اچھا ہے، مگر بہت سے لوگ اسی بات پر آکر ٹھہر جاتے ہیں، اور اِطاعت وعمل کا کوئی رُجحان اُن میں نہیں پایا جاتا، اور یہ چیز درست نہیں؛ کیونکہ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ وہ حضورِ اکرم ﷺ کے دیدار کے طریقۂ کار اور ان کے آثارِ مبارکہ سے تعلق کی فکر میں لگا رہتا ہے، یہ چیز بڑی اہم اور عمدہ ہے، لیکن دُشواری تو یہ ہے کہ اس مفہوم کے قائلین صِرف زبانی جمع خرچ پر ہی اِکتفاء کرتے ہیں جیسا کہ ابھی بیان ہوا، وقت گزرتا جاتا ہے مگر انہیں اِحساس بھی نہیں ہوتا کہ اُمّتی ہونے کی حیثیت سے ہماری کیا ذمہ داری ہے۔

=

قبلہ کی طرف رُخ کرکے دعا کرتے، اور حافظ ذَہبی نے امام مالک کی سوانح "سِير أعلام النُّبلاء"، ١٣١٥ - مالك الإمام، ٦/ ٣٠٧ میں مصعب زبیری کے حوالے سے نقل کیا کہ: انہوں نے ابن ابی زبیر کو فرماتے ہوئے سنا، وہ کہتے ہیں: مجھے حدیث بیان کی مالک نے، مالک نے کہا: میں نے عطاء بن ابی رباح کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا، جبکہ انہوں نے منبر شریف کا بوسہ لیا، پھر قبلہ کو رُخ کرلیا۔

Marfat.com

ظاہر سی بات ہے کہ دونوں مفہوم میں کچھ نہ کچھ خلل ہے؛ کیونکہ جس طرح پہلے مفہوم کا نقص ظاہر ہے؛ کہ اس کی نظر میں حضورِ اکرم ﷺ سے رشتۂ قلب توڑکر جہاد، تعلیم اور دعوت وتبلیغ ہی سب کچھ ہے، اسی طرح یہ دوسرا مفہوم بھی صحیح نہیں، جو سرکارِ دوعالَم ﷺ سے دعویٔ محبت میں ایک تنگ پہلو پر اِنحصار کرتا ہے، حالانکہ حقیقت میں اس کا تعلق تاجدارِ رسالت ﷺ سے ہے ہی نہیں؛ ایسا اس لیے ہے کہ جو بھی حقیقتِ اتصال کی تہہ تک رَسائی حاصل کرے گا، اُسے اپنی ذمہ داریوں کو سَرانجام دیے بغیر قرار ہی نہیں آسکتا، چنانچہ صحابۂ کِرام جنہوں نے عہدِ رسالت میں زندگی بسر کرنے کا شرف حاصل کیا، اُن کا دل ان تمام مَعانی کا گنجینہ تھا، لہذا اُن حضراتِ قُدسیہ کی زندگی میں تینوں پہلو نمایاں ہوئے: اتّباع، خدمت، اِیثار۔

شَوقِ اِطاعت

صحابۂ کِرام کی اِطاعت شِعاری کا یہ عالَم تھا کہ وہ ہر چیز میں حضورِ اکرم ﷺ کی پیَروی کرتے، حتی کہ اِطاعت شِعاری کا شَوق ان کے دل کی گہرائیوں میں اُتر چکا تھا، آپ غَور کیجیے کہ حضور ﷺ کی پیَروی کس طرح ان کی خواہشاتِ نفسانیہ میں رَچ بَس گئی تھی، حضرت سیّدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

Marfat.com

«إِنَّ خَيَّاطاً دَعَا رَسُولَ الله ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ، فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ الله ﷺ فَرَأَيْتُهُ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيِ القَصْعَةِ، قَالَ: فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ»[1] "ایک درزی نے رسولُ اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت پیش کی، میں بھی سرکار ﷺ کے ہمراہ گیا، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ پیالے میں کدّو تلاش فرما رہے ہیں، حضرت سیّدنا انس نے کہا: اُسی دن سے میں کدّو کو پسند کرتا ہوں"۔

حضرت سیّدنا انس اگر یہ کہہ دیتے کہ اُسی دن سے میں بھی کدّو تلاش کرتا ہوں، تب بھی ان کی اطاعت کی ایک صورت تھی، لیکن اس سلسلے میں صحابۂ کرام کا معاملہ اس سے کہیں بڑھ کر تھا؛ اسی لیے انہوں نے کہا کہ "میں اُسی دن سے کدّو سے محبت کرتا ہوں"۔

یہاں ایک زبردست فرق ہے، چنانچہ حضرت سیّدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد: «فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ» کا مطلب یہ ہے کہ میرے خانۂ دل میں مَوجزن جذبۂ حبِ نبی نے میرے دل میں اسے باذَوق چیز بنا دیا ہے؛ کیونکہ اتّباعِ ظاہری ذَوقِ باطنی کو پیدا

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الأطعِمة، باب من تتبّع...، ر: ٥٣٧٩، صـ٩٦١.

Marfat.com

کرتی ہے، مگر حضرت سیّدنا انس کا یہ عمل مبارک ذَوقِ باطنی تھا، جو اتّباعِ ظاہری کا سبب بنا، اور یہیں سے یہ فرق ظاہر ہوتا ہے کہ یہی وہ ذَوق ہے جس نے حضور سرورِ کونین ﷺ کے ہر عمل سے عشق پر انہیں آمادہ کر رکھا تھا، یہاں تک کہ کھانے میں بھی ان کی خواہش وہی ہوتی جو حضور ﷺ کی خواہش ہوا کرتی تھی۔

ہم میں سے کچھ لوگ اس حدیث شریف کو سُن کر یہ کہتے ہیں کہ "حضور ﷺ کدّو کو پسند فرماتے تھے تو حضرت سیّدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس کی طرف مائل ہونے لگے، اور کہتے کہ میں اس بارے میں حضور ﷺ کی پیَروی کرتا ہوں، چنانچہ وہ کدّو تناوُل کرنے پر خود کو مجبور کرتے تھے۔

ہو سکتا ہے کہ یہ معنی بھی کسی حد تک درست ہوں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت سیّدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنوعِ تکلّف حضورِ اکرم ﷺ کی پیَروی کرنا چاہ رہے تھے، مگر بہرحال اِطاعتِ رسول ﷺ کے حوالے سے یہ مسئلہ اس بیان کردہ معنی سے کہیں زیادہ وسیع و عمیق ہے۔

اتّباعِ نبوی کا مسئلہ بہت وسیع مفہوم پر مشتمل ہے: مقصدِ حیات، وسیلۂ زندگی اور معاملات کے طریقۂ کار، نیز اس اتّباع کو دلوں میں مقامِ محبوبیت پر فائز کرنے سے اس کا تعلق ہے، لہٰذا اس مسئلہ کی واضح تصویر اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ

Marfat.com

اتباعِ نبی ﷺ کا جذبہ بیکراں حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جملہ اُمور کو اپنے کنٹرول میں لیے ہوئے تھا، گویا کہ ان حضراتِ قُدسیہ کی فطرت میں شامل ہو چکا تھا، قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً﴾[1] "تمہارے رب کی قسم! وہ مؤمن نہ ہوں گے یہاں تک کہ اپنے متنازعہ معاملات میں آپ کو حکم (فیصل) بنائیں، پھر آپ کے فیصلے کے خلاف اپنے دلوں میں ذرّہ برابر رنجش محسوس نہ کریں، اور آپ کے فیصلے کو دل وجان سے تسلیم کرلیں"۔

"صحیح بخاری شریف" کی حدیث ہے، حضرت سیّدنا سالم بن عبداللہ نے اپنے والد عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی: آپ کے لیے مقامِ ذوالحلَیفہ بطنِ وادی میں رات گزارنے کی جگہ تلاش کرکے اِطلاع دی گئی: «إِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ» "کہ آپ بطحا کی مبارک وادی میں ہیں"، حضرتِ سالم نے ہمیں پڑاؤ ڈالنے کو کہا ہے، اور اُس جگہ کو تلاش کررہے ہیں جہاں نبیٔ کریم ﷺ پڑاؤ ڈالا

---

(١) پ٥، النساء: ٦٥.

Marfat.com

کرتے تھے، حضورِ اکرم کے رات گزارنے کی جگہ کا قصد رکھتے ہیں، اور وہ جگہ اس مسجد کے نیچے ہے جو بطنِ وادی میں ہے، راستے کے بالکل بیچ وبیچ واقع ہے (۱)۔

بلکہ لوگوں نے تو ان کو یہاں تک دیکھا کہ جب ان کا گزر مقامِ رَوحا سے ہوتا (جو مدینہ شریف اور میدانِ بدر کے درمیان واقع ایک کنواں ہے) تو وہ راستے میں آنے والی مسجد کو چھوڑ دیتے، اس میں نماز نہ پڑھتے، بلکہ کسی جانب نکل جاتے اور وہاں جا کر نماز پڑھتے؛ کیونکہ وہ جانکار تھے، اس جگہ کو تلاش کرتے تھے جہاں حضورِ اکرم ﷺ نے نماز ادا کی تھی (۲)۔

یہ ایک ایسا عمل ہے جسے آئندہ نسلوں نے بھی اپنایا اور اس کی نگہداشت فرمائی، چنانچہ حضرت سیّدنا موسی بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سالم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ وہ راستے میں کچھ جگہوں کو تلاش کرکے وہاں نماز ادا

---

(۱) "صحيح البخاري" كتاب الحج، باب قول النبي: «العقيق وادٍ مبارك»، ر: ۱۵۳۵، صـ۲٤۹.

(۲) "صحيح البخاري" كتاب الصلاة، باب المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلّى فيها النبي ﷺ، ر: ٤٨٥، ٤٨٦، صـ٨٤ بتصرّف.

Marfat.com

کرتے، اور کہتے کہ میرے والدِ محترم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہاں نماز پڑھا کرتے تھے، اور انہوں نے ان جگہوں پر نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا[1]۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص قلبی تعلق پر اُستوار اِطاعت کے ایسے مرتبے پر فائز ہو، وہ بدرجۂ اَولی دیگر معاملات میں اس اتّباع کا دِلدادہ ہوگا، بَرخلاف اُس کے جس نے تعلقِ قلبی کے بغیر صِرف ظاہری اِطاعت کو اتّباع قرار دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات دیکھا جاتا ہے کہ وہ شخص اتّباعِ ظاہری کی بعض صورتوں میں تو غُلو کی حد تک گہرائی میں چلا جاتا ہے، مگر دیگر معاملات میں اتّباع کا مخالف ہوتا ہے۔

اِطاعت کے ساتھ خدمت کا جذبہ اِیثار کی فرع ہے

اِطاعت کے ساتھ ہی خدمت بھی مربوط ہے، یہاں خدمت سے مراد حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ کی خدمت کا جذبہ اور اس میں مسابقت ہے، اور یہ جذبۂ خدمت درحقیقت اسی جذبۂ اِیثار کی ایک شاخ ہے، لیکن یہ ایک ایسی شاخ ہے جو اپنی اہمیت کے باعث مستقل حیثیت کی حامل ہے۔

---

(١) المرجع السابق، ر: ٤٨٣، صـ٨٣.

Marfat.com

خدمت کا مفہوم یہ ہے کہ مخدوم کی رِضا جُوئی کی خاطر اس کی ضروریات کی انجام دہی میں اپنی بھرپور کوشش کرے، یہی خدمت کا سب سے مناسب معنی ہے، اور اسی جہت سے خدمت اِیثار کی فرع بھی ہے، حضرت سیّدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو خدمت جنابِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انجام دی، اس کے بنیادی سبب پر غور کرنا چاہیے، وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ «أَخَذَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ بِيَدِي مَقْدَمَ النَّبِيِّ ﷺ الْمَدِينَةَ، فَأَتَتْ بِي رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا ابْنِي وَهُوَ غُلَامٌ كَاتِبٌ قَالَ: فَخَدَمْتُهُ تِسْعَ سِنِينَ»[1] "سرکارِ اَبد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میری والدہ ماجدہ حضرت امِ سلَیم نے میرا ہاتھ پکڑ کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ یارسولَ اللہ! یہ میرا بیٹا ہے اور لکھنا جانتا ہے، چنانچہ میں نَو (۹) برس تک خدمتِ اَقدَس میں حاضر رہا"۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت امِ سلَیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دل میں محبتِ نبی کی جو شمع روشن تھی، اُسی نے انہیں جذبۂ اِیثار پر آمادہ کیا، اور وہی جذبہ بارگاہِ رسالت کی خدمت کا سبب بنا۔

---

(۱) "مسند الإمام أحمد"، مُسْنَدُ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه، ر: ۱۲۲۵۳، ٤/ ۲٤۹.

Marfat.com

میں نے صحابۂ کِرام میں جانثاری، خدمت اور اتّباع کے عجیب وغریب اَوصاف دیکھے، جن اَوصاف نے پوری امّت کوایک نیا وُجود بخشا، ان اَوصاف کوبڑے چھوٹے سب نے دیکھا، اور آپ کی بارگاہ میں رہ کران کوعملی جامہ بھی پہنایا، چنانچہ آپ حضرت سیّدنا علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کودیکھیے! وہ اسلام کے اوّلین فِدائی ہیں، جبکہ آپ کی عمر صرف ۲۳ سال تھی، آپ نے مصطفی جانِ رحمت صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے بستر مبارک پر لیٹ کر رات گزاری، جبکہ آپ کو معلوم تھا کہ تلواریں اور نیزے باہر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔

اسی طرح حضرتِ اسماء بنت ابوبکر کودیکھیے! یہ بھی جب کم عمر تھیں، اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر غار کی طرف نکل پڑیں، اور اپنے کمر بند کودو حصوں میں تقسیم کر کے آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لیے کھانا اور پانی لے کر جایا کرتیں[1]، اس عمدہ خدمت کے سبب آپ (حضرتِ سیّدہ اسماء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا) ابوجہل کے مجرمانہ تھپڑ بھی برداشت کیا کرتیں، یہاں تک کہ چہرے سے خون جاری ہوجایا کرتا تھا۔

---

(١) "صحيح البخاري" كتاب الجهاد والسير، باب حمل الزاد في الغزو، ر: ٢٩٧٩، صـ٤٩٢ بتصرّف.

Marfat.com

اگر غَور کرو تو صحابۂ کِرام کو جہاد میں بھی ایک دوسرے پر سبقت لیتے ہوئے پاؤ گے، ان میں سے ہر ایک جہاد میں نکلنے کا ارادہ رکھتا تھا، آپ ﷺ کم عمر صحابہ کو جہاد کی اجازت نہیں دیتے تھے، مگر وہ حضرات اپنے پَیروں کی اُنگلیوں کے پوروں پر کھڑے ہوجاتے؛ تاکہ اُن کا قد لمبا دِکھائی دے، اور یہ سبقت لے جانا تفریح کے طَور پر نہیں تھا، نہ ہی شکار کے لیے تھا، بلکہ یہ تو مَوت کے لیے سبقت لینا تھا، اُن میں سے ہر ایک آپ ﷺ پر اپنی جان نچھاوَر کرنا چاہتا تھا، اسلام کی خدمت کرنا چاہتا تھا، اپنے آقا ﷺ کی اتّباع کا حق ادا کرنا چاہتا تھا، لہذا آپ ﷺ نے ان صحابہ میں سے ایک کو اِجازت دی؛ کیونکہ وہ تیر اندازی میں ماہر تھے، جبکہ ایک اَور کو منع فرمایا؛ کیونکہ وہ کم عمر تھے، لہذا آپ ﷺ کو یہ خبر دی گئی کہ جس شخص کو آپ نے اجازت دی ہے یہ اسے پچھاڑ سکتا ہے، لہذا آپ ﷺ نے انہیں بھی اِجازت عطا فرمادی[1]۔

---

(١) "السيرة النبوية" لابن هشام، غزوة أحد، بعض من أجازه رسول الله وبعض من ردّه لصغر سنّه، الجزء ٣، صـ٧ بتصرّف.

Marfat.com

مزید ملاحظہ فرمائیے! یہ حضرت سیّدنا مُعاذ بن عَمرو بن جموح رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہیں، جو اپنے چچا حضرت سیّدنا عبدالرحمن سے جنگِ بدر کے دن پُوچھ رہے تھے: «يَا عَمِّ، هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، مَا حَاجَتُكَ إِلَيْهِ يَا ابْنَ أَخِي؟ قَالَ: أُخْبِرْتُ أَنَّهُ يَسُبُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَئِنْ رَأَيْتُهُ لاَ يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتَّى يَمُوتَ الأَعْجَلُ مِنَّا، ثمّ يسأله مُعاذ بن عَفراء مِثْلَهَا، فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ نَظَرْتُ إِلَى أَبِي جَهْلٍ يَجُولُ فِي النَّاسِ، فَقُلْتُ: أَلاَ إِنَّ هَذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِي سَأَلْتُمَانِي، فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا، فَضَرَبَاهُ حَتَّى قَتَلاَهُ، ثُمَّ انْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَاهُ»[1] "چچا جان! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ (حضرت سیّدنا عبدالرحمن فرماتے ہیں) میں نے کہا: ہاں بھتیجے! تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ انہوں نے عرض کی: مجھے پتا چلا ہے کہ وہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو گالیاں دیتا ہے، قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قُدرت میں میری جان ہے! اگر میں نے اُسے دیکھ لیا تو اس کو مَوت کے گھاٹ اُتارنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھوں گا، پھر ایسے

---

(١) "صحيح البخاري" كِتَابُ فَرْضِ الخُمُسِ باب من لم يخمّس الأسلاب...، ر: ٣١٤١، صـ٥٢١، ٥٢٢ بتصرّف.

Marfat.com

حضرت سیّدنا مُعاذ بن عفراء نے بھی پوچھا، (حضرت سیّدنا عبدالرحمن) فرماتے ہیں کہ جیسے ہی میں نے ابوجہل کو لوگوں کے درمیان گھومتے پھرتے دیکھا، میں نے ان دونوں سے کہا: سنو سنو! یہی تمہارا مطلوب ہے جس کی تمہیں تلاش تھی، چنانچہ وہ دونوں اپنی تلواریں لے کر آگے بڑھے، اور اسے قتل کر دیا، پھر رسولُ اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور خبر دی"۔

اس عظیم جذبۂ خدمت واِیثار سے جہاں پورا معاشرہ سَرشار تھا، وہیں ایک خاتون کو بھی پورا پورا حصہ ملا، چنانچہ یہ حضرت سیّدہ امِّ عُمارہ ہیں، جو میدانِ جہاد میں رسولُ اللہ ﷺ کی خاطر اپنے آپ کو مَوت کے حوالے کر دیتی ہیں، اور آپ کے دِفاع میں تَن مَن کی بازی لگاکر شہید ہوجانا چاہتی ہیں[1]، «امْرَأَةَ مِنْ بَنِي دِينَارٍ، وَقَدْ أُصِيبَ زَوْجُهَا وَأَخُوهَا وَأَبُوهَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِأُحُدٍ، فَلَمَّا نُعُوا لَهَا قَالَتْ: فَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالُوا: خَيْرًا يَا أُمَّ فُلَانٍ، هُوَ بِحَمْدِ اللهِ كَمَا تُحِبِّينَ، قَالَتْ: أَرُونِيهِ حَتَّى أَنْظُرَ إِلَيْهِ، قَالَ: فَأُشِيرَ لَهَا إِلَيْهِ، حَتَّى إِذَا رَأَتْهُ قَالَتْ: كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ،

---

(١) "السيرة النبوية" لابن هشام، غزوة أحد، قصّة أمّ عمّارة، الجزء ٣، صـ١٥.

Marfat.com

تُرِيدُ صَغِيرَةً»[1] "قبیلہ بنی دِینار کی ایک خاتون ہیں، جن کے والد، بھائی اور شوہر جنگِ اُحد میں رسولُ اللہ ﷺ پر جانثار کر چکے تھے، جب انہیں ان کے اَعزّاء کی شہادت کی خبر دی گئی تو فرمایا کہ: رسولُ اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا: اچھے حال میں ہیں، وہ اللہ کے فضل سے ویسے ہی ہیں جیسے تم چاہتی ہو، فرمایا: مجھے آپ ﷺ کا دیدار کرنا ہے، حضرتِ سیّدنا سعد بن ابی وَقاص نے کہا کہ جب اُسے آپ ﷺ کی طرف اِشارہ کر کے بتایا گیا، تو بے ساختہ بول اٹھیں کہ "رسولُ اللہ ﷺ کو دیکھنے کے بعد میری ہر مصیبت آسان ہوگئی ہے"۔

چنانچہ ان کی جان، ان کے شَوہر اور ان کی اولاد رسولُ اللہ ﷺ کی محبت اور آپ سے جذبۂ اِیثار کے راستے میں حائل نہیں ہوئے، وہ اِطاعت جو حضورِ اکرم ﷺ کی محبت اور آپ کی خدمت سے متّصل ہے، جس نے جذبۂ اِیثار کو ان کی نظر میں اس چیز کا پیمانہ بنایا کہ رسولُ اللہ ﷺ سلامت رہیں؛ کیونکہ جب حضور ﷺ سلامت رہیں گے تو ہر چیز آسان اور قابلِ برداشت ہے، تو کیا اس پیمانے کی استطاعت تمام انسان رکھتے ہیں؟ بے شک انسان کے

---

(١) المرجع السابق، المرأة الدينارية وصبرها، صـ٢٦.

Marfat.com

لیے یہ چیز بہت دُشوار ہے، وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا، لیکن قبیلۂ دِینار کی ان خاتون کی بشریت جب حضور تاجدارِ رسالت ﷺ کی بشریت کی اِقتداء سے متّصل ہوگئی، تب حضور ﷺ کی خصوصیت کے انوار ان کی ذات میں سرایت کر گئے، لہذا انہیں اس کی طاقت حاصل ہوگئی جس کی طاقت دیگر اَفرادِ بشر نہیں رکھتے۔

اِقتداء سے اِطاعت اور اِقتدار تک

یہی وہ مفہوم ہے جس کی اس زمانے کے مسلم معاشرے میں ہم ضرورت محسوس کرتے ہیں، کہ ہمارے دلوں میں جذبۂ اِیثار اور خدمت کا وصف بیدار ہو، اور یہ اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم حضورِ اکرم ﷺ کے کمالات سے متعلق اِقتداء، اتّباع اور محبت کے مَعانی ومفاہیم کو سمجھیں، جن کی شان یہ تھی کہ ان کا کھانا پینا اور لوگوں کے درمیان چلنا پھرنا یہ ان کی صفاتِ کمالیہ اور ان کی خصوصیات کے انوار سے تھا، حالانکہ وہ شکلِ بشر میں تھے، چنانچہ کھانا پینا حاجتِ انسانی سے متعلق ہے، اور لوگوں کے درمیان چلنا پھرنا دنیا کے ساتھ تعلقات سے متّصل ہے، جواُن کی نفسانی خواہشات اور رُجحانات کا اِحاطہ کرتا ہے۔

یہی دو وصف ہیں جو انسانی زندگی میں اَخلاق کو سنوارتے ہیں، یہی دو وصف جب اتّباع اور پیَروی کے مَعانی کے موافق ہوجاتے ہیں تو انسان کو اس کی

Marfat.com

تمام ضروریات اور خواہشات میں حضورِ اکرم ﷺ سے جوڑ دیتے ہیں، اور اِقتداء اور اِطاعت یعنی فرمانبرداری کا معنی جب ہم سمجھ لیتے ہیں تب ہم ذمہ داری اور مقصودِ اصلی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس بنیاد پر کہ ہمارے دلوں کا بنیادی تعلق عبادت اور خلافت کی ذمہ داری سے ہے، اور تمام صحابۂ کِرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا واحد مقصد صِرف یہ تھا کہ وہ اللہ تعالی کے فرمانبردار کیسے ہوں؟ اور یہی معنی جب ان کے دلوں میں راسخ ہوگیا تو وہ پوری دنیا کے قائد ورہبر بن گئے۔

یہاں تک کہ انہیں میں سے ایک اَعرابی مثلاً رَبعی بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب فارس کے کمانڈر رُستم کے پاس جاتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں: «اللهُ ابْتَعَثْنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَى عِبَادَةِ الله، وَمِنْ ضِيقِ الدُّنْيَا إِلَى سِعَتِهَا، وَمِنْ جَوْرِ الْأَدْيَانِ إِلَى عَدْلِ الْإِسْلَامِ، فَأَرْسَلَنَا بِدِينِهِ إِلَى خَلْقِهِ لِنَدْعُوَهُمْ إِلَيْهِ»[1] "اللہ تعالی نے ہمیں بھیجا ہے؛ تاکہ ہم اُس کے بندوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر اللہ تعالی کے سامنے کھڑا کر دیں، اور ہم انہیں دنیا کی تنگی سے نکال کر وسعتوں میں پہنچا دیں، اور ہم انہیں دیگر اَدیان کے ظلم وزیادتی

---

(١) "البداية والنّهاية" لابن كثير، فصل في غزوة القادسية، ٧/ ٣٩.

Marfat.com

سے نکال کر اسلام کے عدل کے سائے میں لے آئیں؛ کیونکہ ہمیں دعوتِ دِین کی ذمہ داری عطا کی گئی ہے"۔

یہ معاملہ انسان کو اِحساسات کے ضبط کی حد تک لے کر چلا جاتا ہے، یعنی انسان کو جذباتی بنا دیتا ہے، لہذا اس کے دِفاع میں وہ حد سے تجاوُز نہیں کرتا؛ کہ کہیں اسے متجاوِز نہ کہا جائے، جیسا کہ ہم ان لوگوں کے طرزِ عمل میں دیکھتے ہیں جو صِرف ظاہری اتّباع پر اِکتِفاء کرتے ہیں، اور متبوع سے تعلق پیدا نہیں کرتے۔

پوری انسانی برادری ان قیدیوں کی تعظیم و تکریم میں صحابۂ کِرام کی نظیر پیش نہیں کر سکتی، جن قیدیوں کے ساتھ وہ قید کرنے سے پہلے جنگ و جِدال کیا کرتے تھے، اِنہی صحابۂ کِرام میں سے کچھ حضرات وہ بھی ہیں، جو اپنے قیدی کو کھانا کھلانے میں اپنی اولاد پر بھی ترجیح دیا کرتے، اور یہ سب صِرف نبیٔ کریم ﷺ کے اس حکم کی بجاآوری میں تھا: «اسْتَوْصُوا بِالْأَسَارَى خَيْرًا»[1] "قیدیوں کے ساتھ اچھا سُلوک کیا کرو"۔

---

(١) "المعجم الكبير"، مُسْنَدُ مَنْ يُعْرَفُ بِالْكُنَى، ر: ٩٧٧، ٢٢/ ٣٩٣.

Marfat.com

یہی فرق ہے صحابہ اور غیرِ صحابہ کے درمیان کہ جب ان کے دلوں میں تسلیم ورِضا داخل ہوگئی، تو اللہ تعالی نے ان کو چُن لیا، ان کو اِمامت عطا کی، انہیں زمین کا وارث بنادیا، ان کو اَخلاقِ حَسَنہ سے نوازا؛ کیونکہ جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالی کے حوالے کر دیا، وہ دنیا کا قائد ہوگیا۔

خلاصۂ کلام

یہ چند سطریں حضورِ اکرم ﷺ کی بشریت کے حقیقی مفہوم سے متعلق ہیں، جن کے ذریعے آپ ﷺ کی خصوصیات کے ایسے انوار و تجلیات تک رَسائی حاصل کی جاسکتی ہے جو دلوں میں توحید کی حقیقت کو جاگزیں کر دیں گے، اللہ تعالی کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز ہے کہ کمالِ توفیق اور ان مَعانی ومَفاہیم پر کمالِ استقامت عطا فرمائے! إنّه وليُّ ذلك والقادرُ عليه.

وصلّى الله تعالى على سيّدِنا محمّدٍ وعلى آله وصحبه وسلَّم تسليماً كثيراً، والحمدُ لله ربِّ العالمين.

Marfat.com

مآخذ ومراجع

ـ البداية والنهاية، ابن كثير (ت٧٧٤هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤٠٧هـ.

ـ التمهيد لما في الموطّأ من المعاني والأسانيد، ابن عبد البر (ت٤٦٣هـ)، تحقيق مصطفى بن أحمد العلوي ومحمد عبد الكبير البكري، المغرب: وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية ١٣٨٧هـ.

ـ دلائل النبوّة، البيهقي (ت٤٥٨هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٠٥هـ، ط١.

ـ سِير أعلام النُبلاء، الذهبي (ت٧٤٨هـ)، تحقيق مصطفى عبد القادر عطا، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٥هـ، ط١.

ـ السيرة النبوية، ابن هشام (ت٢١٣هـ)، تحقيق محمّد شحاته إبراهيم، القاهرة: دار المنار.

ـ صحيح البخاري، محمد بن إسماعيل البخاري (ت٢٥٦هـ)، الرياض: دار السّلام ١٤١٩هـ، ط٢.

Marfat.com

_ صحيح مسلم، مسلم بن الحَجّاج القُشَيري (ت٢٦١هـ)، الرّياض: دار السّلام ١٤١٩هـ، ط١.

_ صفة الصفوة، ابن الجوزي (ت٥٩٧هـ)، تحقيق محمود فاخوري ود. محمد رواس قلعه جي، بيروت: دار المعرفة ١٣٩٩هـ، ط٢.

_ الطبقات الكبرى، ابن سعد (ت٢٣٠هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ، ط١.

_ المسند، أحمد بن حنبل (ت٢٤١هـ)، تحقيق صدقي جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ، ط٢.

_ المعجم الكبير، الطَبَراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق حمدي عبد المجيد السّلفي، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢٢هـ، ط٢.

Marfat.com

Marfat.com

سر الخصوصية في الارتباط بخير البرية

الحبيب علي زين العابدين الجفري

Marfat.com

جميع الحقوق محفوظة

لدار الفقيه

الطبعة الثالثة مزيدة ومنقَّحة

١٤٣٥ هـ / ٢٠١٤ م

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وصلاته وسلامه على مصطفاه وآله وصحبه
وأهل حقيقة حبه

وآية حب الله منا اتباعه
به وعد الغفران بعد المحبة
ومن يطع الهادي أطاع إلهه
ومن يعصه يعصي الإله ويمقت
ومن بايع المختار بايع ربه
يد الله من فوق الأيادي الوفية

أما بعد فقد رأيت في هذه الرسالة المباركة المعاصرة التي كتبت للسيد الكريم الموفق علي زين العابدين بن عبدالرحمن بن علي الجفري باعلوي رأيت فيها حسن بيان لبديع معان حملها إلينا وحي الرحمن وهدي وبلاغ سيد الأكوان توضح حقائق في صلة المؤمنين بخير الخلائق من سر إيمانهم بالخالق وتبرز معالم خير الطرائق في مسلك الصحب الكرام وتابعيهم من كل ذائق فضاعف الله بها النفع للأمة وضاعف فيها البركة ووهبها لكل مساهم في نشرها وقارئ وسامع لها وأمدهم بالتوفيق ونور الفهم ومحو ظلمة الوهم وإحسان القيام بالمهمة وأتحف المحاضر الملقي لها ما هو تعالى أهله مما لا يحيط به غيره من خيرات وسعادة الدارين في عافية

عمر بن محمد بن سالم بن حفيظ
٢٩/١٠/١٤٣٤هـ
٤/٩/٢٠١٣م

Marfat.com

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

تقريظ

فضيلة الإمام العلامة الرباني

عمر بن محمد بن سالم بن حفيظ

الحمد لله وصلاته وسلامه على مصطفاه وآله وصحبه

وأهل حقيقة حبه

وآيـــة حـــب الله منـــا اتباعـــه

بـه وعـد الغفـران بعـد المحبـة

ومـن يطـع الهـادي أطـاع إلهـه

ومـن يعصـه يعـص الإلـه ويمقـت

ومـن بـايع المختـار بـايع ربـه

يـد الله مـن فـوق الأيـادي الوفيـة

أما بعد، فقد رأيت في هذه الرسالة المباركة، المحاضرة التي كتبت للسيد الكريم الموفق، علي زين العابدين بن عبد الرحمن بن علي الجفري باعلوي، رأيت فيها حسن

Marfat.com

بيان لبديع معان حملها إلينا وحي الرحمن، وهدي وبلاغ سيد الأكوان، توضح حقائق في صلة المؤمنين بخير الخلائق، من سر إيمانهم بالخالق، وتبرز معالم خير الطرائق في مسلك الصحب الكرام وتابعيهم من كل ذائق، فضاعف الله بها النفع للأمة وضاعف فيها البركة وبها لكل مساهم في نشرها وقارئ وسامع لها، وأمدهم بالتوفيق ونور الفهم، ومحو ظلمة الوهم، وإحسان القيام بالمهمة، وأتحف المحاضر الملقي لها ما هو تعالى أهله مما لا يحيط به غيره من خيرات وسعادة الدارين في عافية

عمر بن محمد بن سالم بن حفيظ

٢٩ /١٠ / ١٤٣٤ هـ

٤/ ٩ / ٢٠١٣ م

Marfat.com

تصدير

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي تتم بنعمته الصالحات... الحمد لله كما يليق بفضله وإحسانه... الحمد لله على جوده وامتنانه... وصلى الله وسلم على سيدنا محمد خير البرية وهادي البشرية إلى أقوم طريق وعلى آله وصحبه ومن ارتبط بحضرته وسلك نهجه إلى يوم الدين.

وبعد فهذه باكورة سلسلة حي في قلوبنا التي تهدف إلى إحياء محبة رسول الله ﷺ في قلوب العالمين سبيلاً إلى التمسك بالأخلاق والتعاملات النبوية، تناول الحبيب علي زين العابدين الجفري فيها دلالات اكتمال الإيمان بمحبة سيد الأكوان في قوله تعالى: ﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ﴾، وقد اعتنى بتخريج ما بها من أحاديث وآثار الدكتور مصطفى أبو زيد رشوان مدرس الحديث وعلومه بجامعة الأزهر، وبمهمة المراجعة اللغوية الدكتور أحمد نبوي الأزهري بكلية أصول الدين بجامعة الأزهر، بإشراف فضيلة الشيخ محمد الأمين أكتوشني الشنقيطي، فجزاهم الله تعالى خير الجزاء على ما بذلوه من جهد و عناء وحسن اعتناء ليخرج الكتاب في صورته الراهنة.

د. محي الدين أحمد

مكتب الحبيب علي زين العابدين الجفري

أبوظبي – تريم

Marfat.com

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله على فضله وإحسانه، وجوده وامتنانه، وأشهد أن لا إله إلا الله شهادةً تَزُجُّ بنا في بحار معرفته ورضوانه، وأشهد أن سيدَنا ومولانا محمدًا عبدُه ورسولُه صفوةُ الخلق وزينةُ جنانه، صلواتُ ربي وسلامُه عليه وعلى عترته وأصحابه، وتابعيهم والتابعين لهم بإحسان إلى يوم الدين.

۞أعمار الإنسان:

إن الحديث عن سر ارتباط الإنسان بهادي البشرية ﷺ يتطلب بداية الحديث عن المقصد من وجود الإنسان ومهمته في هذه الحياة، حيث إن لوجوده في هذه الحياة مقصداً ومهمة، وإن أولَ ما ينبغي أن يفقَهه الإنسان هو ماهيةُ المقصودِ الأصلي من وجودنا في هذه الحياة، فهناك مقصدٌ أصلي، وهناك وظيفةٌ ومهمةٌ كلفنا الله بها في هذه الحياة القصيرةِ، وأقول القصيرة لأن هناك حياةً طويلة وأخرى

Marfat.com

قصيرة؛ فبداية حياة الإنسان الطويلة منذ أن نفخ الله الروح في آدمَ عليه السلام، وأودع أرواح ذريته في ظهره بعد أن أشهدهم على أنفسهم، قال تعالى: ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنۢ بَنِىٓ ءَادَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا۟ بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَآ ۛ أَن تَقُولُوا۟ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَٰفِلِينَ﴾[1].

فمنذُ ذلك الوقتِ بدأت حياتُنا، ثم تنقَّلنا من أصلاب آبائنا إلى أرحام أمهاتنا حتى بدأت الحياةُ الثانيةُ بولادة الواحد منا والتي تنتهي بوفاته، ثم تبتدئ الحياة الثالثة عند وفاته وتنتهي بالقيامة وهي حياة البرزخ، ثم تبتدئ الحياة الرابعة بالنفخة الثانية في الصور، عندما ينفخ إسرافيل بأمر الجليل جل جلاله في الصور فيُحشر الخلقُ وتعود الحياةُ الحسيةُ إلى الناس، فيخرجون من قبورهم إلى أن يدخلَ أهلُ الجنةِ الجنةَ وأهلُ النارِ النارَ- والعياذ بالله - ثم تبتدئ الحياة الخامسة بدخولِ أهلِ الجنةِ الجنةَ وأهلِ النارِ النارَ إلى ما لا نهاية.

فحياتنا مِن ثَمَّ طويلة جدًا، أقصرُ مراحِلِها ما يكون منذ

---

(١) الأعراف: ١٧٢.

Marfat.com

الولادة إلى الوفاة، وبالرغم من أن ما نعيشُه الآن هو أقصر مراحل الحياة، إلا أنه الأهمُّ والأخطرُ في حياة الإنسان، لأن ما قبله من مراحلَ كان مجردَ تهيئةٍ له، وما بعده من مراحلَ ثمرة له. وقد ألف في هذا الفَهم لمراحل الحياة وأطوارها الإمامُ الحدادُ ـ رحمه الله ونفعنا به ـ كتابًا سماه: «**سبيل الادكار والاعتبار فيما يمر بالإنسان وينقضي له من أعمار**»[1].

۞ الغاية من الوجود ومهمة كل موجود

ولـل أكثرَ أهل الأرض اليوم، بل أكثرَ المسلمين ـ يا للأسف ـ تنحصر حياتهم في فكرهم وأعمالهم وانشغال قلوبهم على هذه المدة القصيرة من الحياة، ولهذه المقدمة نتيجةٌ منطقيةٌ تترتب عليها، وهي الجهلُ بحقيقة المهمة التي خلقنا الله تعالى من أجلها، فنحن خلقنا الله عز وجل لغاية ما وكلفنا في هذه الحياة القصيرة بمهمة محددة.

---

(١) الإمام شيخ الإسلام قطب الدعوة والإرشاد الحبيب عبد الله بن علوي الحداد، «سبيل الادكار والاعتبار بما يمر بالإنسان وينقضي له من أعمار» ضمن سلسلة كتب الحداد (٥)، مطبوعات دار الحاوي للطباعة والنشر، ١٩٩٣.

Marfat.com

أما الغاية التي خلقنا من أجلها؛ فعامة المسلمين يعلمون أنها العبادة، بقوله تعالى: ﴿وَمَا خَلَقْتُ ٱلْجِنَّ وَٱلْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[1]، فالمقصدُ من خلقنا هو العبادةُ، وأما الوظيفة التي كلفنا بها في هذه الحياة الدنيا فهي الخلافة، بقوله تعالى: ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي ٱلْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾[2]، ومِن ثَم فإن عبادةَ الله تعالى وأداء أمانة الاستخلاف في أرضه هما الغاية والمهمة اللتان ينبغي أن يفقهَ الإنسانُ بهما كيف يعامل ربه وكيف يعامل الخلق الذين يحيطون به فمعاملتنا مع الله تعالى تندرج ضمن أمر العبادة، ومعاملتنا مع ما يحيط بنا من الخلق تندرج ضمن مهمة الخلافة.

وإن تحقيق أمر العبادة، والقيام بمهمة الخلافة يحتاج الإنسان فيه إلى نموذج يتصف بالكمال، يرتبط ويقتدي به، ويتعلم منه كيف يعبد الله تعالى حق عبادته، وكيف يقوم بمهمة الخلافة.

* * *

(١) الذاريات: ٥٦.

(٢) البقرة: ٣٠.

Marfat.com

۞ مفهوم الكمال المطلق ونموذج الكمال النسبي

إن غاية الإنسان أن ينال ما يكتب الله تعالى له، وأن يُحصّل ما يقدر الله سبحانه وتعالى له من معاني الكمال، وإذا نُسِب الكمالُ إلى الله عز وجل؛ فهو الكمال المطلق، ثم هناك كمالُ نسبيٌّ بين البشر إمامُه ومظهرُه وقدوتُه ومنتهاه سيدُنا محمدٌ ﷺ، فهو صاحب الكمال البشري، ومنتهى الكمال النسبي، ومنه يُتصل بالحق عز وجل، طاعة ومحبة وتعظيماً لصاحب الكمال المطلق سبحانه وتعالى وحده لا شريك له.

معنى هذا الكلامِ أن كمالَ الإنسان يَبرزُ في رسوخ وِجهة قلبه إلى الله تعالى بالعبودية، وبناء وجهة قالَبه إلى الكون على أساس مفهوم أمانة الاستخلاف.

۞ نموذج الإنسان الكامل لدى النصارى

وهذا الأمر الذي يقودُنا إلى النظر في مفهوم نموذج الإنسان الكامل في النصرانية، ألا وهو سيدُنا عيسى ـ على نبينا وعليه أفضلُ الصلاة والسلام ـ وهو بلا ريبٍ كاملٌ، إلا

Marfat.com

أن ما فهموه عنه وما نظروا إليه به من معاني الكمال هو محل النظر، فَهُم في تصورهم يرون أن كمال الإنسان في عبوديته لله تعالى أن يتخلّص من بعض غرائز بشريته بإطلاق، فلا يبقى له فعلٌ ولا اتصالٌ بشيء يرتبط بهذه الغرائز.

فمن أراد أن ينال كمال العبادة ـ عندهم ـ ينبغي أن يكون راهبًا منقطعًا عن الكثير من متطلبات غريزته، وقد رُفِع سيدُنا عيسى قبل أن يتزوج، ومن هنا كان استشكال نظرهم لمفهوم الإنسان الكامل، فليس للإنسان الكامل أن يتزوج لأن الزواج نوع من الاستجابة للشهوة، ولا يُنازع ولو في سبيل الحق لأن النزاع يؤدي إلى العداوة، ولا يمكن أن يتاجر، لأن التجارة تفضي إلى تغذية الطمعِ، والطمعُ كالشهوة والعداوة صفات سيئةٌ في النفس البشريةِ.

ولأن سيدَنا عيسى عليه السلام كاملٌ بلا شكٍّ وبلا ريبٍ؛ فإن الله عز وجل كتب أن يَنْزِلَ سيدُنا عيسى في آخر الزمان ويصلي مع المسلمين، ويتزوج ويقود الجيش، وبذلك يصحح معايير الكمال.

* * *

Marfat.com

۞ دِلَالات الكمال

ومن دِلَالات مفهوم الإنسان الكامل عندنا أن «الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ»[1]، وأن «الْمُؤْمِنُ الَّذِي يُخَالِطُ النَّاسَ وَيَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُمْ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنْ الَّذِي لَا يُخَالِطُهُمْ وَلَا يَصْبِرُ عَلَى أَذَاهُم»[2]، فالذي

---

(١) أخرجه الإمام مسلم في صحيحه، كتاب القدر، ح (٢٦٦٤) (١٨٤/١٦ بشرح النووي، باب في الأمر بالقوة وترك العجز)، واللفظ له، وابن ماجه في سننه (١٣٩٥/٢)، كتاب الزهد، باب التوكل واليقين، ح (٤١٦٨)، من حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه.

(٢) أخرجه الإمام الترمذي في سننه (٦٦٢/٤)، كتاب صفة القيامة، ح (٢٥٠٧)، والإمام ابن ماجه في سننه (١٣٣٨/٢)، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء، ح (٤٠٣٢)، والإمام البخاري في الأدب المفرد ص (٩٩)، باب الذي يصبر على أذى الناس، ح (٣٨٨)، والإمام أحمد في مسنده (٦٤/٩) ح (٥٠٢٢)، واللفظ له، وسنده صحيح، ولا يضر إبهام الصحابي فيه، فالصحابة كلهم عدول، على أنه صرح بتسميته في رواية البخاري، وابن ماجه، وأنه ابن عمر، وفي المسند أيضًا (١٨٧/٣٨) ح (٢٣٠٩٨)، وابن أبي شيبة في مصنفه (٣٧٠/١٣)، كتاب الأدب، ح (٢٦٧٤٤)، من حديث عبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهما. وقال الحافظ ابن حجر في بلوغ المرام ص (٢٨٦): أخرجه ابن ماجه بإسناد حسن، وكذا قال في فتح الباري (٥١٢/١٠) عند شرحه لباب الصبر على الأذى، من كتاب الأدب.

Marfat.com

يستطيع أن يجمع ـ بثبات واتزان ـ بين هذين الأمرين، هو الذي يسير نحو تحقيق معنى الكمال النسبي.

وقد جعل الله تعالى في فطرة الإنسانِ ميلاً إلى التأثر والاقتداء بغيره، وقد تتعددُ نماذجُ القدوةِ بحسَب ما يراه الإنسان مظهرًا للكمال في جانب منها، ولهذا أقام الله تعالى لنا سيدَنا محمدًا ﷺ قدوةً عظمى ومظهرًا لكل دِلَالات الكمال البشري في الأرض، وبه تزول أو تُتَخطَّى عقباتُ السير نحو الكمال، وإن جميع مراتب الكمال التي أُذِنَ للبشر أن يترقَّوا فيها تدور في فَلَكه ﷺ.

ولهذا جعله الله تعالى بشرًا، فهل صفة البشرية تلك تحديدٌ وتقييدٌ لمقام حضرته ﷺ، كما يفهمه بعض الناس الذين يعترضون على مدحه ووصفه بصفات تدل على الكمال البشري؛ فيقولون لنا: لا تبالغوا ولا تكثروا ولا تغالوا في مدحه، إنما هو بشر مثلكم، ويستشهدون ـ اجتزاءً ـ بقوله تعالى: ﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾[1]، وينسون ما للآية ذاتِها من صلةٍ وتكملةٍ تجمع دِلَالات منتهى الكمال البشريِ. والجواب

---

(١) الكهف: ١١٠، فصلت: ٦.

Marfat.com

عن ذلك إنما يحتاج إلى تبيين معنى الآية الكريمة وما فيها من معان ودِلَالات.

۞ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

يلاحظ في بداية الآية أن الله عز وجل قد أمر سيدنا محمدًا ـ عليه وآله الصلاة والسلام ـ بقوله: ﴿قُلْ﴾، وهذا يدل على أن المسألة في حقيقتها أمر مهمة وبلاغ، ولو تأملنا فعل الأمر ﴿قُلْ﴾ في كلام الله عز وجل لوجدنا مناسبته غالباً تصُب في معانٍ لها صلةٌ بتربية الإنسان ونقله من الكفر إلى الإيمان، أو بترقيته داخل دائرة الإيمان في عبادته ونسُكِه وصلتِه القلبيةِ الخاصةِ بالله، أو في صلته بالخلق ما بين دِلَالةٍ وتنبيهٍ وحمايةٍ ودفعٍ للضر الواقع أو المتوقع.

وإذا تأملنا الأمر الرباني في معنى الرجوع إلى الله عز وجل، بقوله تعالى: ﴿قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ﴾[1]؛ لوجدنا أن الله تعالى يقول لسيدنا محمد ﷺ: ﴿قُلْ يَٰعِبَادِيَ﴾، وقد يتوقع بعض الناس أن يقول: قُل لِّعِبَادِيَ، وليس ﴿قُلْ يَٰعِبَادِيَ﴾، فنحن لسنا بعبادٍ

---

(١) الزمر: ٥٣.

Marfat.com

لسيدنا محمد عليه وآله الصلاة والسلام، وإنما نحن عبادُ الله عز وجل، ومع ذلك قال له الله عز وجل قل يا عبادي، أي أن مقامَك بين عبادي دِلالةٌ علينا، وأن حالَك وكلامَك وفعلك إنما هو خطابٌ مني إلى الخلق، ﴿وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ۝٣ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْىٌ يُوحَىٰ﴾[1].

ففي الأمر الرباني: ﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَىَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ﴾[2]، أمورٌ ثلاثةٌ أمَرَ الله تعالى حبيبه ﷺ أمر مهمة وبلاغ ـ أن يقولها لنا:

* **الأمر الأول:** بشريته أي صورة المماثلة البشرية ﴿أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ بوصف الاتباع والاقتداء.

* **الأمر الثاني:** حقيقة الاختلاف عنا وهي الوحي والخصوصية ﴿يُوحَىٰٓ إِلَىَّ﴾ بوصف المحبة والاصطفاء.

* **الأمر الثالث:** وهو المهمة أي التوحيد ﴿أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ﴾ بوصف البذل والعطاء والفناء والبقاء والشمول والاستقصاء.

---

(١) النجم: ٣ ـ ٤.

(٢) الكهف: ١١٠.

Marfat.com

۞ حقيقة المهمة في معنى البشرية

فلسيدنا محمدٍ ﷺ صورةٌ بشريةٌ، كما أن له حقيقةً استثنائيةً اصطفاه الله سبحانه وتعالى وخصه لها وبها، فأما الصورةُ البشرية فمثلُنا وسائر البشر في عمومها، أما في دقائقها فلا يوجد أحدٌ في جمال صورته[1]، ولا في كمالها، ولا في حسن تصرفِ هذه الصورة، ثُم جعل الله عز وجل له

---

(١) ذكر الإمام البيهقي في دلائل النبوة: «عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عِمْرَانَ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ: أَنَّهُ سَأَلَ عَلِيًّا، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنْ نَعْتِ النَّبِيِّ، ﷺ، فَقَالَ: كان رسول الله أبيض اللون مشرب حمرة أدعج العينين سبط الشعر ذو وفرة دقيق المسربة كأن عنقه إبريق فضة من لبته إلى سرته شعر يجري كالقضيب ليس في بطنه ولا صدره شعر غيره شثن الكف والقدم إذا مشى كأنما ينحدر من صبب وإذا مشى كأنما ينقلع من صخر وإذا التفت التفت جميعاً كأن عرقه اللؤلؤ ولريح عرقه أطيب من المسك الأذفر ليس بالطويل ولا بالقصير ولا العاجز ولا اللئيم لم ار قبله ولا بعده مثله».
أبو بكر أحمد بن الحسين البيهقي، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، (بيروت: دار الكتب العلمية، ١٤٠٨هـ، ١/٢٧٣)
وانظر ما ورد عن سيدنا البراء بن عازب رضي الله تعالى عنه: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا، وَأَحْسَنَهُ خَلْقًا، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ». أخرجه البخاري في صحيحه (٢/٥١٦)، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، ح (٣٥٤٩)، واللفظ له، وأخرجه الإمام مسلم في صحيحه، كتاب الفضائل، ح (٢٣٣٧) (١٥/٧٧ بشرح النووي، باب في صفة النبي ﷺ).

Marfat.com

في كل مظهرِ صورٍ يماثلنا فيه نوعا من التميّز ومن الاختصاص؛ تميزٌ في كمال مظهر هذه الهيئة الصورية، حتى إنه لَتصيبُك الحَيْرةُ إن جئت تَصِفُه من أي جانب وسبيل، وهي الهيئة التي حرصت كتب الحديث والسيرة والشمائل على إيراد تفاصيلها ودقائقها.

وقد غابت عن أذهان بعض الناس حقيقة التميز والاختصاص في الصورة البشرية الكاملة لسيدنا محمد ﷺ، فجعلوا يتساءلون عن جدوى معرفة أوصاف النبي الخَلْقِيَّة، معتقدين أن الحديث عن هيئته ﷺ وعن أوصاف الكمال في صورته البشرية لا يفيد المسلمين في العبادة والاتباع، وللبيان نقول لهم: من الذي نقل إلينا تلك الأوصافَ؟ ومن أين عَرفناها؟ ألم تُنقل لنا على ألسنة الصحابة، ومن بعدهم التابعين، ثم تابعي التابعين، ثم أئمةِ الحديث حتى وصلت إلينا؟

فلِمَ اعتنى كلُّ هؤلاءِ بتفقد أخبار وصفه الخَلْقِي، إن لم تكن هناك فائدةٌ من ذلك الوصف؟ ولماذا يؤلف الأئمة الترمذي صاحبُ السنن والمفسر البَغَوي والمحدث المُنَاوي والفقيه النبْهاني وغيرُهم كُثر كتبًا يخصصونها لشمائل الرسول

Marfat.com

عليه الصلاة والسلام؟ بل لماذا يخصصُ كبارُ الأئمة الذين كتبوا السيرةَ والذين جمعوا الحديثَ فصولاً وأبوابًا في شمائل النبي ﷺ وأوصافِه الخَلْقِيَّة؟

إذًا هناك معنى ينبغي أن نفقَهَهُ من خلال صفاته الخَلْقِيّة ﷺ، وهذا المعنى يعود على القلوب بالإعجاب به وبالمحبة لحضرته المشرفة والإجلالِ لقدره والتعظيم لمنزلته ﷺ، وبهذا المعنى نفهم المهمةَ التي جعله الله تعالى بسببها في صورةٍ خَلقيَّةٍ كاملة، وهذه المهمةُ ترجع إلى أمر يتصل بالواقع الذي نعيشُه في باب الخلافة، وهي مُهِمّة القدوةِ التي بدونها لا نستطيعُ أن نفهمَ كيف نتعاملُ مع الله ومع خلق الله تعالى.

فمن المعلوم أنه من مقتضى الصورة البشرية لسيدنا محمد ﷺ أنه يأكلُ ويشربُ وينام ويتزوج ويُتَاجر ويرعى الغنمَ ويغزو ويقاتلُ مثل سائر البشر، وقد كانت مظاهر الاشتراك في تلك الصورةِ البشريةِ عند الذين احتُبِسوا على حدودها سببًا في عدم إيمانهم ـ بل كانت حجةَ تكذيب وعدمِ تصديقِ كل رسول ونبي، قال تعالى: ﴿وَمَآ أَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ

Marfat.com

ٱلْمُرْسَلِينَ إِلَّآ إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ ٱلطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِى ٱلْأَسْوَاقِ﴾[1] - لأنه يأكل الطعام ويمشي في الأسواق، قال تعالى: ﴿وَقَالُوا۟ مَالِ هَٰذَا ٱلرَّسُولِ يَأْكُلُ ٱلطَّعَامَ وَيَمْشِى فِى ٱلْأَسْوَاقِ ۙ لَوْلَآ أُنزِلَ إِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُۥ نَذِيرًا﴾[2]، فهذا هو الذي نظروه منه.

وكذلك الحال عند الذين يُحتبَسون على مجرد التماثل والاشتراك في الصورةِ البشريةِ لسيدنا محمد ﷺ ويقِفون عندها من المؤمنين، فلا يرتقُون في إيمانهم، بل قد يعيشون محجوبين - والعياذ بالله - عن الفَهم الصحيح لمعنى بشريته ﷺ الذي يترقَّون به في معراج صلتهم بالله سبحانه وتعالى.

لذا لا تجدُ لدى الذي يُشغَل دائمًا ويقِف عند حدود ﴿إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾؛ ذلك الذوقَ الإيمانيَّ من الرحمة والصبر والثبات واللين، ولك أن تتأمل الطوائفَ التي ظهرت بين المسلمين وديدَنُهم الاكتفاءُ بالكلام عن بشريته عليه الصلاة والسلام؛ لتجد عندهم - في الأغلب الأعم - الفظاظةَ

---

(١) الفرقان: ٢٠.

(٢) الفرقان: ٧.

Marfat.com

والشدةَ، لأن معنى المحبة عندهم ضيقٌ محصورٌ على الاتباع الصوري، ولا يغوصُ إلى حقيقة المعاني القلبيةِ.

۞ مفتاح التميز في الارتباط بالكامل

إن المِفْتاح لسرِّ تَميز إنسانيةِ الإنسان هو في ارتباطه بالإنسان الكاملِ القدوةِ ﷺ، ومِن ثَمَّ فالمقصودُ من مجيئه في هذا القالَب البشري الذي فيه صورةٌ مشابهةٌ لنا أن يكمل لنا وأمامنا جانب الاقتداء، فكيف نقتدي به - ﷺ - إذا كان لا يأكل كما نأكل ولا يمشي في الأسواق كما نمشي ولا يتزوج كما نتزوج؟ وكيف يتأتى لنا أن نتعلم كيف نتصل بالله تعالى - اقتداء - في كل أحوالنا لولا كمال سيدنا محمد ﷺ في صلته بربه عز وجل؟ وقِس وفصِّل على ذلك جميعَ أحوالنا وأقوالِنا وأفعالِنا ونوازعِ بشريتنا.

أَصْدُقُكم القولَ بناء على ما سبق أنه لولا وجودُ هذا الجانبِ البشري في سيدنا محمد ﷺ لضللنا الطريق؛ إما أن نعتزل الناس فنكونَ رهبانًا في صوامعَ وبِيع دون اتصال بالعالم، وإما أن نتصل بالعالم بغير نور وهداية وقدوة، فنسقطَ في هاوية الجشع والحقد والشبق ولا نكونَ أصحابَ

Marfat.com

مراتبَ عاليةٍ في الصلة بالله تعالى.

فلو افترضنا أن النبي ﷺ كان لا ينام؛ فسيكون نومُنا نحن عندئذ ـ على خلاف هديه عليه الصلاة والسلام ـ انقطاعاً عن الله عز وجل؛ يُخل بمهمة العبادة، ويخل بالتالي بمهمة الخلافة في الأرض، على نحوٍ قد يدفعُنا إلى أن نجاهد أنفسنا بتقليل النوم إلى الحد الذي قد لا ننام فيه أبدًا مخالفةً للفطرة، فنَضعُف وننعزلُ عن معاملة الخلق فلا نؤدي دور الخلافة وإن حققنا نجاحاً في جانب من العبادة. لكن كان سيدُنا محمدٌ ﷺ ينام، فكان في مظهر صورته البشرية في نومه وسيلةً لنا لأن يتحول نومُنا إلى عبادة من جهة الآداب النبوية للنوم، وإلى خلافة في هذه الأرض من جهة أخرى، وهي نية التقوي على الطاعة وتجدد النشاط والهمّة للخدمة.

وقد تزوّج ﷺ، وكان في زواجه عِبرٌ لنا ودروسٌ في كيفية التعامل والتنشئة في البيت، وكيفيةِ التعايش بين الرجل والمرأة، ولولا ذلك ما كمل للرجال معنى الصلة بالله عز وجل في صلتهم بنسائهم، ولا كمل للنساء معنى الصلة بالله عز وجل في صلتهن برجالهن.

Marfat.com

فلو تأمل الإنسان صلةَ النبي ﷺ بالسيدةِ خديجةَ زوجته الأولى رضي الله عنها؛ لوجد فيها المثلَ الأعلى للمرأة في تحقيقها لرتبة الكمال عند ما تتعامل مع الزوج وبخاصة في أشد لحظات الابتلاء والتعب.

تأمل موقف السيدة خديجة رضي الله عنها في بداية الوحي وبشارتها بخصال الخير حين قال لها ﷺ في أول أمر الوحي «**لقد خشيت على نفسي**» فقالت: «**كَلَّا وَاللَّهِ لَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الكَلَّ، وَتَكْسِبُ المَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الحَقِّ**»[1].

وإذا رأيتم سيدتَنا الصديقةَ عائشةَ رضي الله عنها وتأملتم

---

(١) أخرجه البخاري في صحيحه، باب بدء الوحي، ح(٣) وأخرجه مسلم في صحيحه، كتاب الإيمان، باب بدء الوحي، ح (١٦٠).
وانظر حديث أبي هريرة قال: «**أَتَى جِبْرِيلُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ هَذِهِ خَدِيجَةُ قَدْ أَتَتْ مَعَهَا إِنَاءٌ فِيهِ إِدَامٌ أَوْ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ فَإِذَا هِيَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّي وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ**»، أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب فضائل الصحابة، باب تزويج النبي ﷺ خديجة وفضلها رضي الله عنها، ح (٣٨٢٠) واللفظ له، وأخرجه الإمام مسلم في صحيحه، كتاب في فضائل الصحابة، باب فضائل خديجة رضي الله عنها رقم ٢٤٣٢).

Marfat.com

سيرتها مع النبي ﷺ، لوجدتم مثال الزوج الحنون والرجل الكامل، فالسيدةُ عائشةُ رضي الله عنها على صغر سنها يحصُل منها ما يحصل من صغيرات السن من الغضب أو من الانفعال أو من التسرع في بعض الأمور، فأرانا النبي ﷺ بحسن تفهمه وتعاملاته الراقية واستيعابه لانفعالاتها كيف يكون الرجل كاملاً في تعامله مع أهله.

فعَنْ السيدة عَائِشَةَ قَالَتْ: «خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ وَأَنَا جَارِيَةٌ لَمْ أَحْمِلْ اللَّحْمَ وَلَمْ أَبْدُنْ، فَقَالَ لِلنَّاسِ: تَقَدَّمُوا فَتَقَدَّمُوا، ثُمَّ قَالَ لِي: تَعَالَيْ حَتَّى أُسَابِقَكِ، فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ فَسَكَتَ عَنِّي، حَتَّى إِذَا حَمَلْتُ اللَّحْمَ وَبَدُنْتُ وَنَسِيتُ خَرَجْتُ مَعَهُ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ، فَقَالَ لِلنَّاسِ: تَقَدَّمُوا فَتَقَدَّمُوا، ثُمَّ قَالَ: تَعَالَيْ حَتَّى أُسَابِقَكِ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِي، فَجَعَلَ يَضْحَكُ وَهُوَ يَقُولُ هَذِهِ بِتِلْكَ»[1].

---

(١) أخرجه أبو داود في سننه (٢٤٩/٣)، كتاب الجهاد، باب السبق على الرجل، ح (٢٥٧١)، والنسائي في سننه الكبرى (٣٠٣/٥، ٣٠٤)، كتاب عشرة النساء، مسابقة الرجل زوجته، ح (٨٩٤٢، ٨٩٤٤)، وابن ماجه في سننه (٦٣٦/١)، كتاب النكاح، باب حسن معاشرة النساء، ح (١٩٧٩)، والإمام أحمد في مسنده (٣١٣/٤٣) ح (٢٦٢٧٧)، واللفظ

Marfat.com

وفي كلتا الحالتين تعليم للرجل كيف يكون كاملاً عند ما تحتاج الزوجة إلى من يستوعبُها أو يحسن التعامل معها، وتعليم الزوجة كيف تكون راقيةً وكاملةً عند ما يحتاج الرجل من زوجته أن تقوم بحسن التعامل معه أو مدِ يد العون له، ولو أن سيدنا محمداً ﷺ لم يتزوجْ، أو لم يكن بشرًا يحتاج إلى الزواج؛ لَمَا تأتَّى لنا أن نتعلم كيف نتّصِل بالله تعالى في شؤون حياتنا الزوجية والأسرية التي نعيشها في الواقع، وهكذا يقال في جميع أحوال الحبيب ﷺ.

۞ الخصوصية في الصورة البشرية

إن الصورة البشرية لسيدنا محمد ﷺ تتميز عن غيره من البشر بنور الخصوصية، وهذه الخصوصية لها وجهان:

أحدهما: لا يطمع أحدٌ من الخلق أن ينالَه، وهو اختيارُ اللهِ تعالى لسيدنا محمد ﷺ، وعطاؤُه واصطفاؤُه وإجلالُه له، فهذا وجه لا يطمع أحدٌ من البشر في بلوغه أو أن يصل إليه.

تأمل حينما صام عليه وآله الصلاة والسلام مثلَ الصحابةِ

له، وابن حبان في صحيحه (١٠/٥٤٥ ح٤٦٩١ بترتيب ابن بلبان)، كلهم من طريق: هشام بن عروة، عن أبيه، عن السيدة عائشة رضي الله عنها.

Marfat.com

وأفطر، لكن لما واصل أراد الصحابةُ رضي الله عنهم أن يواصلوا فنهاهم، «رَحْمَةً لَهُمْ، فَقَالُوا: إِنَّكَ تُوَاصِلُ، قَالَ: إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ إِنِّي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ»[1]، فبين لهم ﷺ أن في وصاله خصوصية لا يتمكنون من نيلها.

وكذلك خصوصيته ﷺ جواباً عن سؤال السيدة عائشة رضي الله عنها: يَا رَسُولَ اللهِ تَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟، قَالَ: «تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي»، أو كما في حديث سيدنا ابن عباس رضي الله عنهما **أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ خَالَتِهِ مَيْمُونَةَ**، «فَقَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ، فَتَوَضَّأَ مِنْ شَنٍّ مُعَلَّقٍ وُضُوءًا خَفِيفًا، قَالَ: وَصَفَ وُضُوءَهُ، وَجَعَلَ يُخَفِّفُهُ وَيُقَلِّلُهُ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَا صَنَعَ النَّبِيُّ ﷺ، ثُمَّ جِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ، فَأَخْلَفَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ، فَصَلَّى، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتَّى نَفَخَ، ثُمَّ أَتَاهُ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، فَخَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ

---

(١) أخرجه الإمام البخاري في صحيحه (٢/٤٩)، كتاب الصوم، باب الوصال، ح (١٩٦٤)، واللفظ له، والإمام مسلم في صحيحه، كتاب الصوم، ح (١١٠٥) (٧/١٧٨ بشرح النووي، باب النهي عن الوصال في الصوم)، من حديث أم المؤمنين عائشة رضي الله تعالى عنها.

Marfat.com

وَلَمْ يَتَوَضَّأْ " قَالَ سُفْيَانُ: وَهَذَا لِلنَّبِيِّ ﷺ خَاصَّةً، لِأَنَّهُ بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، تَنَامُ عَيْنَاهُ، وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ»[1].

وهي خصوصية تعلمنا منها أنه كان ـ عليه وآله وصحبه الصلاة والسلام ـ ينام ونحن ننام، وأن حدودَ أخذنا من نومه هي صورةُ الاقتداء في الآداب والنيات الصالحات، لكن هناك بابًا ممتنِعًا لا ينالُه إلا سيدُنا محمدٌ، إذ يقول: «تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي»[2]، فهي خصوصية ممتنِعةٌ على غيره.

وثَم وجهٌ آخرُ في الخصوصية ـ سوى تلك التي تمتنعُ عن غيره ـ وهي اختصاصاتٌ يُفيضها الله تعالى على أفراد الأمة على قدر صلتهم بسيدنا محمدٍ ﷺ، وهذه الاختصاصاتُ

---

(١) أخرجه الإمام البخاري في صحيحه، (٣٩/١)، كتاب الوضوء، باب التخفيف في الوضوء، ح (١٣٨)، والإمام مسلم في صحيحه، (٥٢٨/١)، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه، ح (١٨٦) واللفظ له.

(٢) أخرجه الإمام البخاري في صحيحه (٥٢٠/٢)، كتاب المناقب، باب كان النبي ﷺ تنام عيناه ولا ينام قلبه، ح (٣٥٦٩)، واللفظ له، والإمام مسلم في صحيحه، كتاب صلاة المسافرين، ح (٧٣٨) (١٥/٦ بشرح النووي، باب صلاة النيل)، من حديث أم المؤمنين عائشة رضي الله تعالى عنها.

Marfat.com

والعطاءاتُ تبدأ من باب اقتداءِ الظاهر ببشريته ﷺ، وامتلاءِ الباطن بخصوصيته ﷺ، فلكي نعيشَ حياةً مرتبطةً بالله تعالى علينا أن نقتدي بسيدنا محمد ﷺ في كل شؤون حياته، ففي ظاهره نعيش مع بشريته اقتداءً، وفي باطنه نعيش مع خصوصيته محبةً وولاءً وتعظيمًا.

۞ كمال الإيمان بمحبة سيد الأكوان

ولهذا لا يَكمُل الإيمانُ إلا بكمال محبة سيدنا محمدٍ ﷺ، كما جاء في الحديث الصحيح عن أنس بن مالك: «لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَلَدِهِ وَوَالِدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ»[1]، ويأتي سيدنا عمر رضي الله عنه الصادق فيقول: «وَاللَّهِ لَأَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ إِلَّا نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ

---

(١) أخرجه الإمام البخاري في صحيحه (٢٢/١)، كتاب الإيمان، باب حب الرسول ﷺ من الإيمان، ح (١٥)، والإمام مسلم في صحيحه، كتاب الإيمان، ح (٤٤) (١٤/٢ بشرح النووي، باب وجوب محبة رسول الله أكثر من الأهل والولد والوالد والناس أجمعين)، واللفظ لكليهما، من حديث أنس رضي الله تعالى عنه.

Marfat.com

عِنْدَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ، قَالَ عُمَرُ: فَلَأَنْتَ الْآنَ وَاللَّهِ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: الْآنَ يَا عُمَرُ»[1].

فهذا سيدُنا عمرُ رضي الله عنه وأرضاه وله مناقب وفضائل كثيرة، أعز الله عز وجل الإسلام بإسلامه، وكان من أعظم الناس اتباعاً للنبي ﷺ، هاجر وجاهد في سبيل الله تعالى، صام النهار وقام الليل، وإن كل هذا الاتباع والبذل والعطاء لم يكمل به إيمانه، حتى صار النبي ﷺ أحب إليه من نفسه التي بين جنبيه.

إذًا هناك معنىً في المحبة ليس مجردَ صورة الاتباعِ، فالاتباعُ لا يثمر حقيقةَ المطلوب منه إلا إذا غُرس في أرض المحبة، والاتباع شجرةٌ لك أن تَغرِسَها في أرض المحبة ولك أن تغرسَها في أي أرض أخرى؛ فإذا غُرِسَ الاتباعُ في غير أرض المحبة لا يصل بصاحبه إلى كمال الإيمان أيا كان هذا الاتباعُ في صورته وشكله.

---

(١) أخرجه الإمام البخاري في صحيحه (٤/٢١٦)، كتاب الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ، ح (٦٦٣٢)، والإمام أحمد في مسنده (٢٩/٥٨٣) ح (١٨٠٤٧)، واللفظ له، من حديث عبد الله بن هشام رضي الله تعالى عنه.

Marfat.com

والمحبة أصلٌ في الباطن وبها يميل القلب إلى المحبوب، فإذا زادت المحبةُ أخذت بكُلّيات المُحِب إلى المحبوب، حتى إذا اكتملت وصارت أقوى من محبة النفس، فإنها تثمر عند المحب ثلاثةَ أمور هي الأساسُ فيما نحتاجه اليومَ في إقامة الخلافة في الأرض: أولها: الاتباع، وثانيها: الخدمة، وثالثها: البذل، وإن مراتبَ الناس لتتفاوت في هذه الأمور الثلاثة على قدر تفاوتهم في المحبة، فكلما كملت المحبةُ وقوِيَت في الباطن قَوِيَ الاتباعُ والخدمةُ والبذلُ في الظاهر.

وفي معنى المحبة بكونها من شأن الباطن، نفهم قوله تعالى: ﴿قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِى يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ﴾[1]، وقوله ﷺ: «لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ عِنْدَهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ نَفْسِهِ»[2]، و لو تأملنا الآية جيداً لوجدنا

---

(١) آل عمران: ٣١.

(٢) أخرجه البخاري في صحيحه، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ، (٥/١٦ (٣٦٩٤) و٨/٧٣ (٦٢٦٤) و٨/١٦١ (٦٦٣٢)، من حديث عبد الله بن هشام رضي الله عنه برواية: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَهُوَ آخِذٌ بِيَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: «يَا رَسُولَ اللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ كُلِّ=

Marfat.com

أن الله عز وجل ربط دلائل محبته تعالى باتباع رسوله ﷺ، فلم يقل تعالى اتبعوا سنتي أو شريعتي أو هديي أو كلامي فقط، وإنما قال اتبعوني أي بكُلّيتي، وهذا الاتباع يشمل المتابعة في الظاهر والموافقة في الباطن.

۞ سريان أنوار الخصوصية عند الاتصال بالبشرية

فكيف يقوم هذا المعنى الباطنُ للمحبة؟ إنه يقوم بمشاهدةِ معنى الخصوصية ومتابعتها في سيدنا محمدٍ ﷺ، وقد قرأتم آنفاً أن الاقتصارَ على المماثلة البشرية كان سببًا في رد الكفار عن الإسلام، وفي جمود بعض المسلمين عن الترقي في مراتب الإيمان والإحسان، فما الفرق بين الذين لا ينظرون من النبي ﷺ إلا جانبَ بشريته فقط وبين أبي جهل وأبي لهب؟ فأبو جهل وأبو لهب نظرا في سيدنا محمد - ﷺ - إلى يتيم أبي طالب، وابن أبي كبشة[1] وإلى صورة

= شَيْءٍ إِلَّا مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: لَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: فَإِنَّهُ الْآنَ وَاللهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: الْآنَ يَا عُمَرُ» وأخرجه أحمد في مسنده، ٤/٢٣٣ (١٨٢١١) و٤/٣٣٦ (١٩١٦٩) واللفظ له.

(١) أبوه من الرضاع.

Marfat.com

البشر الذي يأكل الطعام ويمشي في الأسواق.

لكن المؤمن يأخذ معنى البشرية وجانبَها ليتصل بمعنى الخصوصية وجانبِها، فمن شأن المؤمن المحب أن يقول: يا رسول الله لقد اتبعتُك في كلياتِك: فشربي على هيئتك؛ وطعامي على آدابك وسنتك؛ ولباسي ونومي، قيامي وقعودي؛ رضاي وغضبي، حبي وبغضي؛ حياتي كلُّها ارتبطت بك. فما ثمرة ذلك كُلِّه؟

إن الثمرةَ إذا اتبع المؤمن المحب سيدنا محمداً ﷺ على هذا النحو من الإجلال والتعظيم وتغليب الأمر على نفسه مع الصدق والإخلاص هي أن تسريَ إليه أنوارُ الخصوصية، فإن اقتدى المؤمن في بشريته ببشرية النبي ﷺ سرى إلى قلبه شيءٌ من نور خصوصيته عليه وآله وصحبه الصلاة والسلام.

ولهذا أسألكم من هم أفضلُ الخلق بعد الأنبياء؟ إنهم بلا شكٍّ الصحابةُ رضي الله عنهم أجمعين، لكن ما مِيزةُ الصحابة؟ ألا يوجد من التابعين من هو أعلمُ أو أعبدُ من بعض أعراب الصحابة، فمن أعلم من الحسن البصري؟ ومن

Marfat.com

أعبد من ثابتٍ البُنَانيِّ الذي كان يقرأ القرآن ويصلي ثلاث مائة ركعة كل يوم وليلة[1]؟

لقد أوردت لنا كتب السنة قصة الأعرابي الذي جاء يسأل الرسول عليه الصلاة والسلام عن الفرائض، وقد حفظ لنا الصحابةُ رضي الله عنهم أجمعين وصفَه وحالَه، كما في صحيح البخاري: مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرُ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ، حَتَّى دَنَا فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ»، فَقَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: «لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ»، قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «وَصِيَامُ رَمَضَانَ»، قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ؟ قَالَ: «لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ»، قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ الزَّكَاةَ، قَالَ: هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا؟ قَالَ: «لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ»، قَالَ: فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هَذَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «أَفْلَحَ إِنْ صَدَقَ»[2]، وفي رواية أخرى: قَالَ النبي

---

(١) سير أعلام النبلاء، ٢٢٤/٥ برقم ٩١، صفة الصفوة لابن الجوزي، ٢٦١/٣ برقم ٥١٥.

(٢) أخرجه الإمام البخاري في صحيحه (٣١/١)، كتاب الإيمان، باب الزكاة من الإسلام، ح (٤٦)، وأخرجه الإمام مسلم في صحيحه،=

Marfat.com

- ﷺ - «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى هَذَا»[1].

أي أفضل عندنا - أهلَ السنةِ والجماعة -: ثابتٌ البُنانيُّ صاحبُ العبادة، والحسنُ البصري صاحبُ العلم وهما قدوة لنا في كل الأحوال، أم هذا الأعرابي الذي يكتفي بالفرائض وتركِ المحرمات؟

الإجابة عندنا أن هذا الأعرابيَّ أفضلُ، لأن فيه خصوصيةَ الصحبة، فما خصوصيةُ الصحبة؟ وما ميزة الصحابة؟ إن الفرق بين الصحابي وغيره من المسلمين أنه اجتمع بسيدنا محمدٍ ﷺ، فهذا هو ضابط الصحبة، ولذلك قالوا: الصحابي هو من اجتمع بالنبي ﷺ في حياته يقظةً وهو مؤمن ومات على الإيمان.

= كتاب الإيمان، ح (١١) (١٤٦/١ بشرح النووي، باب بيان الصلوات التي هي أحد أركان الإسلام)، واللفظ له، من حديث طلحة بن عبيد الله رضي الله تعالى عنه.

(١) أخرجه الإمام البخاري في صحيحه (٤٣١/١)، كتاب الزكاة، باب وجوب الزكاة، ح (١٣٩٧)، وأخرجه الإمام مسلم في صحيحه، كتاب الإيمان، ح (١٤) (١٥٣/١ بشرح النووي، باب بيان الإيمان الذي يدخل به الجنة)، واللفظ لكليهما، من حديث أبي هريرة رضي الله تعالى عنه.

Marfat.com

ذلك لأنهم ـ رضي الله عنهم أجمعين ـ لما نظروا إلى هيئته البشرية عليه وآله الصلاة والسلام واكتحلت أعينهم بالنظر إلى طلعته البهية وأنصتت مسامعهم وانطلقت ألسنتهم بالخطاب منه صلوات ربي وسلامه عليه؛ اتصلت بشريتُهم ببشريته في أعلى مراتب الاتصال المباشر، فاتصلت قلوبُهم بأنوار خصوصيته ﷺ.

۞ على قدر مراتب الاتصال والفهم تُنال الدرجات

ومعلوم أن أدنى رتبة من فَهْم الخصوصية أن يشهد المسلم لسيدنا محمد عليه وآله وصحبه الصلاة والسلام بالنبوة والرسالة وأنه خاتم الأنبياء والمرسلين، حتى لو لم يعلم الخصوصياتِ الأخرى والمراتبَ العاليةَ والاصطفاءاتِ التي خصّه الله عز وجل بها، فأول درجة نضعُها في الإقرار بالخصوصية أن نُقِر له عليه الصلاة والسلام بالنبوة والرسالة، وأنه خاتم الأنبياء والمرسلين وأفضل الخلق، ثم بعد ذلك تختلف مراتب الناس في فَهم تلك الخصوصيات.

وقد يأتي أعرابي لا يعرف شيئًا عن خصوصيات النبي ﷺ إلا أنه رسولُ الله ـ كما في صحيح مسلم عَنْ أَنَسِ بْنِ

Marfat.com

مَالِكٍ قَالَ: «نُهِينَا أَنْ نَسْأَلَ رَسُولَ اللَّهِ - ﷺ - عَنْ شَيْءٍ، فَكَانَ يُعْجِبُنَا أَنْ يَجِيءَ الرَّجُلُ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْأَلَهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ أَتَانَا رَسُولُكَ فَزَعَمَ لَنَا أَنَّكَ تَزْعُمُ أَنَّ اللَّهَ أَرْسَلَكَ، قَالَ: «صَدَقَ». قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ السَّمَاءَ؟ قَالَ: «اللَّهُ». قَالَ: فَمَنْ خَلَقَ الأَرْضَ؟ قَالَ: «اللَّهُ». قَالَ: فَمَنْ نَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيهَا مَا جَعَلَ؟ قَالَ: «اللَّهُ». قَالَ: فَبِالَّذِي خَلَقَ السَّمَاءَ وَخَلَقَ الأَرْضَ وَنَصَبَ هَذِهِ الْجِبَالَ آللَّهُ أَرْسَلَكَ؟ قَالَ: «نَعَمْ». قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِنَا وَلَيْلَتِنَا؟ قَالَ: «صَدَقَ». قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: «نَعَمْ». قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا زَكَاةً فِي أَمْوَالِنَا؟ قَالَ: «صَدَقَ»، قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللَّهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: «نَعَمْ». قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا صَوْمَ شَهْرِ رَمَضَانَ فِي سَنَتِنَا. قَالَ: «صَدَقَ». قَالَ: فَبِالَّذِي أَرْسَلَكَ آللهُ أَمَرَكَ بِهَذَا؟ قَالَ: «نَعَمْ». قَالَ: وَزَعَمَ رَسُولُكَ أَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً. قَالَ: «صَدَقَ». قَالَ: ثُمَّ وَلَّى. قَالَ: وَالَّذِى بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لاَ أَزِيدُ عَلَيْهِنَّ وَلاَ أَنْقُصُ مِنْهُنَّ. فَقَالَ

Marfat.com

النَّبِيُّ - ﷺ - «لَئِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ الْجَنَّةَ»[1].

وواضح أن هذا الأعرابي لا يعرف من خصوصيات النبي ﷺ سوى أنه رسول الله، فسأله واستوثق من هذه الناحية فعاد مُقرًا بأول رتبة من مراتب الفهم ليشهد قلبُه وباطنُه معنى الخصوصية في سيدنا محمدٍ ﷺ، فنال بشارته بالجنة إن صدق في عزم الالتزام.

وهذا يعنى أن أقلَّ الصحابة عملاً قد أخذ بدايةَ مقدمات الإيمان بالخصوصية حين قابلت بشريتُه بشريةَ الرسول - عليه الصلاة والسلام - فسرى من نور خصوصيته إلى بشريته ما وصل إلى بشريتهم، ثم إلى قلوبهم من اعتقاد خصوصيته فنالوا بذلك الاتصال الرتبة الكبرى.

وإذا تأملنا هذا المعنى اتضح لنا انطباعُ الخصوصيةِ المحمديةِ في القلوب، وأن نصيبَنا من خصوصية سيدنا محمد ﷺ يكون على قَدْر ارتباط قلوبنا بمحبته، وأن

---

(١) أخرجه مسلم في صحيحه، كتاب الإيمان باب في بَيَانِ الإِيمَانِ بِاللهِ وَشَرَائِعِ الدِّينِ، ح (٣٢/١) واللفظ له، وأحمد في مسنده ١٤٣/٣ (١٢٤٨٤)

Marfat.com

الصحابة الذين شاهدوا عجائبَ من خصوصياته تلك، ورأوا معجزاتِه وأخلاقَه وتعاملاتِه ورحمتَه، وعاينوا هِمتَه وتواضعَه وزهدَه، شهدوا كل تلك المعاني من سيدنا محمد ﷺ وامتلأوا بها، وكان تفاوت مراتبهم في الأفضلية وبالتالي في الإيمان على قدر تفاوت مراتبهم في الفهم عنه.

يظهر ذلك جلياً في إبرازه ﷺ لأفضلية الصديق أبي بكر عند ظهور معنى من الفهم تمَيز به عن بقية الصحابة، فقد روى البخاري عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: «خَطَبَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ: إِنَّ اللهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللهِ، فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: مَا يُبْكِي هَذَا الشَّيْخَ إِنْ يَكُنْ اللهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللهِ، فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ هُوَ الْعَبْدَ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا، قَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ لَا تَبْكِ إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِنْ أُمَّتِي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ»[1].

---

(١) أخرجه البخاري في صحيحه، بَابُ الْخَوْخَةِ وَالْمَمَرِّ فِي الْمَسْجِدِ، (١/١٠٠) ح (٤٦٦) وطرفاه في ٣٦٥٤ و٣٩٠٤

Marfat.com

۞ سريان الخصوصية إلى الزمان والمكان

بل لقد سرت أنوارُ خصوصيته عليه الصلاة والسلام إلى ما اتصل بحضرته من الزمان والمكان، ففُضلت بعضُ الأوقات على غيرها لاتصالها بالحبيب المصطفى عليه الصلاة والسلام «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ يَجِيءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ أَحَدِهِمْ يَمِينَهُ وَيَمِينُهُ شَهَادَتَهُ»[1]، وفُضلت البلدةُ التي ولد ونشأ فيها ﴿لَآ أُقْسِمُ بِهَٰذَا ٱلْبَلَدِ ۝١ وَأَنتَ حِلٌّۢ بِهَٰذَا ٱلْبَلَدِ﴾[2]، والبلدة التي هاجر إليها وثوى فيها، وقد كانت وبيئةً لا يؤمن فيها من الوخم والمرض، فصارت بعد أن حل بها وتطيبت بالطيب ﷺ طيبة وطابة، حتى إننا لَنجدُ النهي في الحديث عن تسميتها يثرب، واستحسن بعضُ العلماء أن يستغفر الإنسان إذا نطق بكلمة يثرب عند ذكره للمدينة المنورة، عملا بما

---

(١) أخرجه البخاري في صحيحه، بَابُ فَضَائِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، (٩٣٨/٢) ح (٢٥٠٩)، مسلم في صحيحه، باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم، (١٩٦٢/٤) ح (٢٥٣٣) عَنْ عَبِيدَةَ عَنْ عبد اللهِ رضِيَ اللهُ عنه.

(٢) البلد: ١ ـ ٢.

Marfat.com

في مسند أحمد عَنِ الْبَرَاءِ قَال: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «مَنْ سَمَّى الْمَدِينَةَ يَثْرِبَ فَلْيَسْتَغْفِرْ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ هِيَ طَابَةُ هِيَ طَابَةُ»[1].

هذا المعنى إذا ارتقى إليه المسلم وعرَف أنه حتى في بشريته ﷺ تلك لم تكن هناك مماثلةٌ، أدرك معنى آخرَ يرتقي إليه في صلته بالحبيب عليه الصلاة والسلام، وهو سر الوحي الذي تلقّاه قلبُ الحبيب ﷺ.

ولذا فإننا نحتاجُ إلى أن نقرأ كتبَ الشمائل والدلائل والسيرةِ، ثم ندخلَ إلى السنة ببحرها الواسع لنستشعر بها ارتباطًا قلبيًا بسيدنا محمد ﷺ، فإذا قوِيَ هذا الارتباطُ كمل الإيمان، وإذا كمل الإيمان أخذنا نصيبًا من سر الوحي

---

(١) ورد هذا المعنى في حديث في إسناده ضعف في مسند الإمام أحمد (٤٨٣/٣٠) ح (١٨٥١٩) عن البراء بن عازب رضي الله عنه، وله شاهد عند الشيخين في صحيحيهما من حديث أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: «أُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَأْكُلُ الْقُرَى، يَقُولُونَ: يَثْرِبُ، وَهِيَ الْمَدِينَةُ، تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الكِيرُ خَبَثَ الحَدِيدِ». أخرجه الإمام البخاري في كتاب فضائل المدينة، باب فضل المدينة وأنها تنفي الناس، ح (١٨٧١) (٢٢/٢). وأخرجه الإمام مسلم في كتاب الحج، ح (١٣٨٢) (١٣٠/٩ بشرح النووي، باب المدينة تنفي خبثها).

Marfat.com

الذي وُجِّه إلينا بقوله تعالى: ﴿قُلْ إِنَّمَآ أَنَاْ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ﴾.

۞ فَهْمُ حقيقةِ معنى التوحيد واتصالها بالحبيب

وعند التأمل في الآية الكريمة يتبين أنه سبحانه عز وجل لم يقل: أَنَّمَا إِلَهِي إِلَهٌ وَاحِد، وإلا لكان هناك انفصالٌ بين فَهم التوحيد من جهة، وبين الحالة القلبية من جهة أخرى، أو قل بين السلوك من ناحية والواقع الذي نعيشه من ناحية أخرى، وهذه أزمة يعيشها بعضُ من يخدُمُ الإسلام اليوم ولم يتسع لهذا الفَهم، فالبعض يفصل التوحيد عن الحياة، ليقول لنا: هذا شركٌ وهذا منافٍ للإيمان وهذا من وسائل الشرك وهذا قد يُفضي إلى الشرك وهذا من مقدمات الشرك، حتى حولوا الصلة بالحياة كلِّها إلى صورة ألفاظ تتكلم عن الاعتقاد والتوحيد والإيمان.

لكن الفقه الذي جاء به سيدُنا محمدٌ ﷺ لم يكن هكذا، وما كان لأحد من الصحابة أن يقسم التوحيد إلى ربوبيةٍ وألوهيةٍ ولا إلى أسماءٍ وصفاتٍ، و لم نجد ذلك مروياً عن الصحابة والتابعين ولا عن تابعي التابعين وما

Marfat.com

حُفظ ذلك عنهم، لأنهم كانوا مشغولين بحقيقة التوحيد في القلوب، والتي أخذوها بلا إله إلا الله واقترانها بمحمد رسول الله، فتأملوا لماذا جعل الله تعالى دخول الإسلام مشروطًا بالشهادتين؟ لأن التوحيد لا يتحول إلى حقيقةٍ في قلبك إلا عَبْر هذا الذي جعله الله عز وجل لك إمامًا وقدوةً لمعنى الإنسان الكامل.

فإذا اعتقد الإنسان أن محمداً ﷺ رسولُ الله إليه؛ ترتبت على هذا الاعتقادِ والتصديقِ بكلامه المحبةُ له والارتباطُ بحضرته، وأن يجعل لحياته ارتباطًا به، وإذا جعل لحياته ارتباطًا به؛ عرف معنى التوحيد بحق، ولهذا قال تعالى: ﴿أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ﴾، أي أن الخطابَ لكم، وأن الوحيَ الذي جاء إليه متصلٌ بمعنى المخاطبة المتوجهة إلى الغير، وأنه بدون الارتباطِ بالاقتداء الظاهرِ ببشرية سيدنا محمد ﷺ والامتلاءِ الباطن بخصوصية سيدنا محمد عليه وآله الصلاة والسلام؛ يمتنعُ أمرُ رسوخ حقيقةِ التوحيد في القلوب.

ولذا لم يكن يسمى بعلم التوحيد ولا بعلم العقيدة، فهذا كلُّه ظهر بعد القرون الأولى ولا مشاحَّةَ في الاصطلاح،

Marfat.com

وإنما كان يسمى الإيمانَ، ثم سمي بالتوحيد لأن أعظم ما يوصل الإيمان إلى القلب هو التوحيد، وسمي بالعقيدة لأنه ينعقد الإيمان به في الباطن، لكن الأصل هو إيمانٌ أي رسوخٌ في القلب مرتبطٌ بتعظيمِ ومحبةِ سيدنا محمد عليه وآله وصحبه الصلاة والسلام والارتباطِ بحضرته.

وهكذا فإن أعظمَ من تلقى التوحيدَ عن سيدِنا محمدٍ ﷺ هم الصحابةُ الكرام رضي الله عنهم أجمعين، لأن توحيدَهم جمعهم على امتلاء قلوبهم بسيدنا محمد عليه الصلاة والسلام، حتى صار الواحد منهم يُسابق أخاه على فضلة وَضُوئه ﷺ[1].

فهذه كلُّها أشياءُ نحتاج إلى أن نذكرها لأجل أن نعرف الفرقَ الكبيرَ الذي بيننا وبين الصحابة رضوان الله عليهم في

---

(١) ورد ذلك في حديث المِسْور بن مَخْرمة ومروان بن الحكم يصدق كل واحد منهما حديث صاحبه الذي أخرجه البخاري في صحيحه (٢/٢٧٩)، كتاب الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط، ح (٢٧٣١)، وفيه قول عروة بن مسعود الثقفي: «وَإِذَا تَوَضَّأَ كَادُوا يَقْتَتِلُونَ عَلَى وَضُوئِهِ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّونَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيمًا لَهُ».

Marfat.com

الصلة بسيدنا محمد ﷺ ، هذا الفرقَ الذي جعلهم يكادون يقتتلون على فضلة الوضوء، لأن نظرَهم إلى بشرية سيدنا محمد عليه الصلاة والسلام غيرُ النظر الذي يُراد له الآن أن ينتشر بين المسلمين.

۞ ارتباط الرسالة بالرسول والمهمة بالمحبة

وينبغي في هذا الجانب تسليط الضوء على صنفين من الفهم لحقيقة ارتباط الرسالة بالرسول والمهمة بالمحبة:

أحدهما يقول أصحابه: نعم نحن نؤمن بأن محمداً رسول الله، وأنه بدون محبته لا يستقيم إيمان العبد، ونحن نحبه ﷺ أكثر من أولادنا وآبائنا وأنفسنا، ونؤمن بأنه جاءنا برسالة التوحيد، لكنه صلوات ربي وسلامه عليه بشر وقد أدى الرسالة ولم يجعل الله لبشر الخلد في الأرض، فترك لنا عليه الصلاة والسلام رسالته وسنته لنعمل بها؛ فلِمَ المبالغة في التركيز على شخصه وصفاته ومجاوزة الحد في مدحه؟

أليس من الأولى بنا الاشتغال بمحتوى الرسالة التي جاء بها؟

Marfat.com

ودلالة هذا الكلام هي النظر إلى سيدنا محمد صلوات ربي وسلامه عليه على أنه كان كساعي بريدٍ أعطانا الرسالة وأخذناها منه، ثم ذهب وعلينا أن نُشغل نحن بالرسالة لا بالرسول. لكن عمل الصحابةِ والسلف الصالح من أهل القرون الأولى رضي الله عنهم لم ينطلق عن هذا الفهم الخاطئ ولم يقابلوه على أنه ﷺ أدّى الرسالة وذهب، وكان عملهم يدل على أن الرسالة لا تنفصل بحال عن الرسول.

فالصحابةُ الكرام عاملوه ﷺ بكليته لأن المنظارَ الذي كانوا ينظرون به إلى النبي عليه الصلاة والسلام غيرُ المنظار الذي يتم ترويجه اليوم وغيرُ الكلام الذي يردد على الأسماع، يقولون لنا: لا تبالِغُوا ولا تغالوا ولا تتجاوزوا الحد، فهل عرفتم الحد حتى تتهموا غيركم بالتجاوز؟ وما معنى الحدِّ الذي يُتكلّم عنه؟ وأين هذا الحدُّ من قوله تعالى: ﴿فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا﴾، أو من فعل الصحابة الذين كانوا يتبركون بآثاره الشريفة ويتسابقون على موضع وقوفه على المنبر ويتمسحون برمّانة منبره ﷺ؟[1].

(١) انظر كتاب التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد للإمام ابن عبد البر النمري القرطبي، في الحديث رقم خمسة وثلاثين من رواية=

Marfat.com

وأما الفهم الآخر فيقول أصحابه: نحن نحب سيدَنا محمدًا ﷺ ونُجِلُّه ونبحث عن بركة من آثاره، فهذا كله حسن لكنهم يقفون عند هذا الحد، فلا تجد عندهم همة في الاتباع ولا الخدمة، وهنا موضع الخلل إذ يصرف المؤمن همه للتفكير في كيفية رؤية النبي ﷺ وكيفية الاتصال بآثاره الشريفة، وهذا أمر عظيم حسن لكن الاشكال في الاقتصار عليه كما سبق بيانه، بحيث يمر عليه حينٌ من الدهر ولا يخطرُ على قلبه مرةً من المرات أن يسأل نفسه: ما مهمتي تِجاه أمة النبي ﷺ ؟

= يحيي بن سعيد الأنصاري عن محمد بن إبراهيم بن الحرث (وهو أحد ثقات أهل المدينة ومحدثيهم معدود في التابعين) روي عنه أنه قال: رأيت سعد بن أبي وقاص وعبد الله بن عمر يأخذان برمانة المنبر ثم ينصرفان. وانظر الطبقات الكبرى لابن سعد عن إبراهيم بن عبد الرحمن بن عبد القارئ أنه نظر إلى ابن عمر وضع يده على مقعد النبي ﷺ من المنبر ثم وضعها على وجهه، وعن يزيد بن عبد الله بن قسيط قال: رأيت ناساً من أصحاب النبي ﷺ إذا خلا المسجد أخذوا برمانة المنبر الصلعاء التي تلي القبر بميامنهم ثم استقبلوا القبلة يدعون، وفي سير أعلام النبلاء للإمام الحافظ الذهبي في ترجمة الإمام مالك: «فقال مصعب الزبيري: سمعت ابن أبي الزبير يقول: حدثنا مالك، قال: رأيت عطاء بن أبي رباح دخل المسجد، وأخذ برمانة المنبر، ثم استقبل القبلة».

Marfat.com

لا شك أن هناك خللاً في كل من الفهمين، فكما أن الأول معروفٌ وواضحٌ خللُه؛ إذ جعل المهمة جهادًا وقتالاً وتعليمًا ودعوةً مع انقطاع القلب عن الارتباط بسيدنا محمد ﷺ، فكذلك الآخر الذي اقتصر في حبه على جانب ضيق من الارتباط، وما صحّ ارتباطُه بالمعنى الواضح الواسع، ذلك أن من وصل إلى عمق حقيقة الارتباط لا يَقِر له قرارٌ حتى يرتبطَ بالمهمة.

فالصحابة رضي الله عنهم الذين عايشوا رسول الله ﷺ امتلأت قلوبهم بهذه المعاني الجامعة، فتحولت في حياتهم إلي ثلاثةِ أشياءَ: اتباع، وخدمة، وبذل.

۞ ذوق الاتباع

فأما الاتباع فصاروا يتابعونه في كل شيء، حتى وَصَل تذوُّقُ الاتباع إلى حد عمق مشتهيات أنفسهم. وتأمل كيف صار اتباع النبي ضمن شهوات نفوسهم، إذ يقول سيدُنا أنسُ بن مالكٍ رضي الله عنه: «إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ، فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ، فَرَأَيْتُهُ يَتَتَبَّعُ

Marfat.com

الدُّبَّاءَ مِنْ حَوَالَيْ الْقَصْعَةِ، قَالَ: فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ»[1].

فلو قال سيدنا أنسٌ رضي الله عنه: فَلَمْ أَزَلْ أتتبع الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ، لكان الأمر في ذاته صورةَ اتباع، لكن المسألة كانت أعمقَ من ذلك لدى الصحابة الكرام، ولذلك قال أنس: «فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ»، وهنا فرق كبير، فقوله «فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ» يعني أن قوة حبّي للنبي ﷺ جعلت اتباعي شيئاً ذوقياً في قلبي، لأن الاتباع في الظاهر قد يورث تذوقاً في الباطن، لكن ما فعله سيدنا أنس من اتباع كان تذوقاً في الباطن أورث اتباعاً في الظاهر، وهنا يظهر الفرق بَيِّنًا، فهذا الذوق جعله يتعشق كل شيء يفعله النبي ﷺ،

---

(١) أخرجه الإمام البخاري في صحيحه (٤٣١/٣)، كتاب الأطعمة، باب من تتبع حوالي القصعة مع صاحبه إذا لم يعرف منه كراهية، ح (٥٣٧٩)، وأخرجه الإمام مسلم في صحيحه، كتاب الأشربة، ح (٢٠٤١) (١٨٦/١٣ بشرح النووي، باب جواز أكل المرق واستحباب أكل اليقطين) وفي الرواية التي تليها في صحيح مسلم: «دَعَا رَسُولَ الله ﷺ رَجُلٌ فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ فجيء بِمَرَقَةٍ فِيهَا دُبَّاءٌ فَجَعَلَ رَسُولُ الله ﷺ يَأْكُلُ مِنْ ذَلِكَ الدُّبَّاءِ وَيُعْجِبُهُ، قَالَ: فَلَمَّا رَأَيْتُ ذَلِكَ جَعَلْتُ أُلْقِيهِ إِلَيْهِ وَلاَ أَطْعَمُهُ. قَالَ: فَقَالَ أَنَسٌ: فَمَا زِلْتُ بَعْدُ يعجبني الدُّبَّاءُ».

Marfat.com

وحتى في الأكل صارت نفسه تشتهي الذي كان يشتهيه ﷺ.

قد يسمع أحدُنا هذا الحديث فيقول إن النبي ﷺ كان يحب الدُّبَّاءَ، وأن أنسًا رضي الله عنه صار يميل إليها، فيقول: وأنا أتابع النبي عليه الصلاة والسلام أيضاً في ذلك، فيغصِبُ نفسَه على أكل الدُّبَّاءَ، وهو ـ إن شاء الله ـ على خير، لأنه أراد أن يتبع سيدنا محمدًا ﷺ، لكن القضية في الاتباع أعمق من ذلك.

القضية في الاتباع تشمل المعاني الواسعة، في مقصد الحياة ووسيلتها، وفي طريقة التعامل معها، وفي الهمة وفي جعل الاتباع محبوباً في القلوب، فحقيقةُ المسألة أن الاتباع تملَّك كُلياتِهم فصار جِبِلِّيًا كأنه الفطرة السامية، ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا۟ فِىٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا۟ تَسْلِيمًا﴾[1].

وفي صحيح البخاري قال سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ: «أَنَّهُ رُئِيَ وَهُوَ فِي مُعَرَّسٍ

(١) النساء: ٦٥.

Marfat.com

بِذِي الْحُلَيْفَةِ بِبَطْنِ الْوَادِي قِيلَ لَهُ إِنَّكَ بِبَطْحَاءَ مُبَارَكَةٍ وَقَدْ أَنَاخَ بِنَا سَالِمٌ يَتَوَخَّى بِالْمُنَاخِ الَّذِي كَانَ عَبْدُ اللهِ يُنِيخُ يَتَحَرَّى مُعَرَّسَ رَسُولِ الله ﷺ وَهُوَ أَسْفَلُ مِنَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِبَطْنِ الْوَادِي بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ وَسَطٌ مِنْ ذَلِكَ»[1].

بل وجدوه لما مر بالروحاء - وهي بئر بين المدينة وبدر - يترك المسجد الذي في الطريق، فلا يصلي فيه، وإنما يذهب إلى مكانٍ ما ويصلى هناك، لأنه كان يَعْلَمُ ويتحرى الْمَكَانَ الَّذِي صَلَّى فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ[2].

---

(١) أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب الحج، باب قول النبي ﷺ (العقيق واد مبارك) ح (٢/٥٥٦)، أخرجه مسلم في الحج، باب التعريس بذي الحليفة والصلاة بها، رقم ١٣٤٦.

(٢) انظر رواية الإمام البخاري: «وَأَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ صَلَّى حَيْثُ الْمَسْجِدُ الصَّغِيرُ الَّذِي دُونَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ، وَقَدْ كَانَ عَبْدُ اللهِ يَعْلَمُ الْمَكَانَ الَّذِي صَلَّى فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ، يَقُولُ: ثَمَّ عَنْ يَمِينِكَ حِينَ تَقُومُ فِي الْمَسْجِدِ تُصَلِّي، وَذَلِكَ الْمَسْجِدُ عَلَى حَافَةِ الطَّرِيقِ الْيُمْنَى وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ الْأَكْبَرِ رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ أَوْ نَحْوُ ذَلِكَ، وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي إِلَى الْعِرْقِ الَّذِي عِنْدَ مُنْصَرَفِ الرَّوْحَاءِ، وَذَلِكَ الْعِرْقُ انْتِهَاءُ طَرَفِهِ عَلَى حَافَةِ الطَّرِيقِ دُونَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرَفِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ، وَقَدْ ابْتُنِيَ ثَمَّ مَسْجِدٌ،=

Marfat.com

وهو أمر يتوارثُه الأبناء ويتعاهدونه، فيحدثنا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ قَالَ: «رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللهِ يَتَحَرَّى أَمَاكِنَ مِنْ الطَّرِيقِ فَيُصَلِّي فِيهَا، وَيُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّي فِيهَا، وَأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ»[1].

ولا شك أن من وصل إلى هذه المرتبة من الاتباع المبني على التعلق القلبي يكون من باب أولى حريصاً على الاتباع في المعاملات والسلوكيات، بخلاف من جعل الاتباع مجرد صورة ليست متصلة بحقيقة التعلق القلبي، فتراه يدقق في بعض صور الاتباع الشخصي في الهيئة والشكل إلى حد التنطع مع مخالفته للاتباع في أمور المعاملات والسلوكيات.

= فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يَسَارِهِ وَوَرَاءَهُ وَيُصَلِّي أَمَامَهُ إِلَى الْعِرْقِ نَفْسِه» انظرها في صحيحه (١/١٧٢)، كتاب الصلاة، باب المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ، ح (٤٨٦).

(١) أخرجه البخاري في صحيحه (١/١٧١)، كتاب الصلاة، باب المساجد التي على طرق المدينة والمواضع التي صلى فيها النبي ﷺ، ح(٤٨٣).

Marfat.com

۞ الخدمة مع الاتباع فرعٌ عن البذل

ومع الاتباع تأتي الخدمةُ، أي حبُ الخدمةِ لرسول الله ﷺ والتنافسُ عليها، والخدمةُ في الحقيقة هي فرع عن البذل، لكنها فرع أخذ مجالاً حتى صار شيئًا مستقلا، فالخدمة هي بذلُ الوُسعِ في القيام بحاجة المخدوم إدخالاً للسرور عليه، فهذا هو المعنى الراقي للخدمة، فصارت الخدمةُ على هذا النحو فرعًا عن البذل.

تأمل سببَ خدمةِ سيدنا أنس رضى الله عنه للنبى ﷺ، إذ يروي سيدنا أنسٌ فيقول: «أَخَذَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ بِيَدِي مَقْدَمَ النَّبِيِّ ﷺ الْمَدِينَةَ فَأَتَتْ بِي رَسُولَ اللهِ ﷺ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ هَذَا ابْنِي وَهُوَ غُلَامٌ كَاتِبٌ، قَالَ فَخَدَمْتُهُ تِسْعَ سِنِينَ»[1]، فمعنى الحبِّ الذي استقر في قلب سيدتنا أمِّ سُليمٍ رضي الله عنها جعلها تفكر بالبذل، والبذل أوصلها إلى معنى الخدمة له ﷺ.

---

(١) أخرجه الإمام أحمد في مسنده (٢٧٥/١٩) ح (١٢٢٥١)، وابن سعد في طبقاته (١٩/٧)، كلاهما عن يزيد بن هارون، عن حميد، عن أنس، وسندهما صحيح.

Marfat.com

ثم رأينا من الصحابة رضي الله عنهم عجائبَ من معاني البذل والخدمة والمتابعة والاتباع لحضرته ﷺ أنهضت أمةً بأكملها في الوجود، ولقد عرَف تلك المعانيَ الكبيرُ والصغيرُ، وتعاملوا بها من خلال صلتهم برسول الله ﷺ، فتجدُ سيدَنا عليَّ بنَ أبي طالب أولَ فدائي في الإسلام وهو في الثالثة والعشرينَ يبيت في مضجع رسول الله ﷺ، وهو يعلم أن السيوف والرماحَ تنتظره في الخارج.

وتجدُ أسماءَ بنتَ أبي بكر الصديق - وهي لا تزالُ صغيرةً - تخاطر بنفسها وتخرجُ إلى الغار، وقد شقّت نطاقها إلى نطاقين تحملُ فيهما الطعام والشرابَ لرسول الله ﷺ ولسيدنا أبي بكر الصديق[1]، وتتعرض من أجل هذا للطمة آثمة من يد أبي جهل تسيل الدم من وجهها الكريم.

---

(١) ففي رواية الإمام البخاري قالت: صَنَعْتُ سُفْرَةَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ، حِينَ أَرَادَ أَنْ يُهَاجِرَ إِلَى المَدِينَةِ، قَالَتْ: فَلَمْ نَجِدْ لِسُفْرَتِهِ، وَلاَ لِسِقَائِهِ مَا نَرْبِطُهُمَا بِهِ، فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ: «وَاللَّهِ مَا أَجِدُ شَيْئًا أَرْبِطُ بِهِ إِلَّا نِطَاقِي»، قَالَ: فَشُقِّيهِ بِاثْنَيْنِ، فَارْبِطِيهِ: بِوَاحِدٍ السِّقَاءَ، وَبِالْآخَرِ السُّفْرَةَ، «فَفَعَلْتُ، فَلِذَلِكَ سُمِّيَتْ ذَاتَ النِّطَاقَيْنِ»، أخرجه البخاري في صحيحه، (٤/٥٤)، كتاب الجهاد والسير، باب حمل الزاد في الغزو، ح (٢٩٧٩).

Marfat.com

وتجدُهم في وقت الجهاد يتنافسون: كلٌّ واحد يريد أن يخرجَ ويجاهدَ في سبيل الله، وينظرُ النبي ﷺ إلى صغار السن فيؤخرُهم، فتراهم يقِفون على أطراف أصابعهم، ليبدو كل واحد أطول من الآخر، وهذه المنافسة ليست على نزهة ولا رحلةِ صيدٍ، وإنما هي منافسةٌ على الموت، كلٌ يريد أن يبذل وأن يخدُمَ وأن يتّبع الحبيبَ ﷺ. يَقبل النبيُّ ﷺ واحدًا من الفتيان لأنه يرمي بالسهام، ويردُّ الآخرَ لأنه بدا أصغر حجماً، فيُخَبر النبيَ ﷺ أنه يستطيع أن يَصرَع مَنْ أجازه، فيجيزه الرسولُ عليه الصلاة والسلام كذلك[1].

وهذا مُعَاذُ بْنُ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوحِ يسأل سيدنا عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ يوم بدر: «يَا عَمِّ هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ؟ قَالَ: قُلْتُ: نَعَمْ وَمَا حَاجَتُكَ إِلَيْهِ يَا ابْنَ أَخِي؟ قَالَ: أُخْبِرْتُ أَنَّهُ يَسُبُّ رَسُولَ اللهِ ﷺ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَئِنْ مرَأَيْتُهُ لاَ يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادَهُ حَتَّى يَمُوتَ الأَعْجَلُ مِنَّا، ثم يسأله

---

(١) وَأَجَازَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمئِذٍ سَمُرَةَ بْنَ جُنْدُبٍ الْفَزَارِيّ وَرَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ، أَخَا بَنِي حَارِثَةَ، وَهُمَا ابْنَا خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً وَكَانَ قَدْ رَدّهُمَا، فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ إِنّ رَافِعًا رَامٍ، فَأَجَازَهُ، فَلَمّا أَجَازَ رَافِعًا، قِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ فَإِنّ سَمُرَةَ يَصْرَعُ رَافِعًا، فَأَجَازَهُ (سيرة ابن هشام ٢/٦٦).

Marfat.com

مُعَاذَ بْنَ عَفْرَاءَ مِثْلَهَا، فَلَمْ أَنْشَبْ أَنْ نَظَرْتُ إِلَى أَبِي جَهْلٍ يَجُولُ فِي النَّاسِ، فَقُلْتُ: أَلَا إِنَّ هَذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِي سَأَلْتُمَانِي فَابْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا فَضَرَبَاهُ حَتَّى قَتَلَاهُ ثُمَّ انْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَاهُ»[1].

يتحرك مجتمعٌ بأكمله، كله بذل وكله عطاء، وتأخذ فيه المرأة بنصيب وافر غير منقوص، فهذه أمُّ عمارةَ تُعرض نفسها للقتل وتستميت في الدفاع عن النبي ﷺ[2]، وهذه امْرَأَةٌ مِنْ بَنِي دِينَارٍ قَدْ أُصِيبَ زَوْجُهَا وَأَخُوهَا وَأَبُوهَا مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ بِأُحُدٍ فَلَمّا نُعُوا لَهَا، قَالَتْ: فَمَا فَعَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ؟ قَالُوا: خَيْرًا يَا أُمّ فُلَانٍ هُوَ بِحَمْدِ اللهِ كَمَا تُحِبّينَ، قَالَتْ أَرُونِيهِ حَتّى أَنْظُرَ إِلَيْهِ قَالَ فَأُشِيرَ لَهَا إِلَيْهِ حَتّى إِذَا رَأَتْهُ قَالَتْ كُلّ مُصِيبَةٍ بَعْدَك جَلَلٌ تُرِيدُ صَغِيرَةً[3]، فلم تعد أنفسهم

---

(١) أخرجه البخاري في صحيحه، بَابُ مَنْ لَمْ يُخَمِّسِ الْأَسْلَابَ وَمَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلَبُهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُخَمَّسَ وَحُكْمِ الْإِمَامِ فِيهِ، ٤/٩٣ ح (٣١٤١)، ومسلم في صحيحه، باب استحقاق القاتل سلب القتيل، ٥/١٤٨ ح (٤٦٦٨).

(٢) سيرة ابن هشام ٢/٨١.

(٣) سيرة ابن هشام ٢/٩٩.

Marfat.com

ولا أزواجهم ولا أولادهم حائلا دون انطلاق مشاعرهم بالمحبة والبذل لرسول الله ﷺ.

إن الاتباع المقترن بالخدمة والحب الذي أورث البذل جعل المقياس عندها في سلامة رسول الله ﷺ، فإذا كان النبي ﷺ بخير فكل شيء هين ومحتمل! فهل هذا المقياس يطيقه سائر البشر؟ إن آحاد البشر يصعب عليهم أن يطيقوا ذلك، لكن بشرية المرأة الدينارية اتصلت بالاقتداء ببشرية سيدنا محمد ﷺ فسرت إليها أنوارُ خصوصيته، فأطاقت ما لا يُطيقه البشر من أمثاله.

۞ من الاقتداء إلى الانقياد إلى القيادة

إن هذا المعنى هو الذي نحتاج إليه اليومَ في واقع الأمة، أن نُحيِيَ في أنفسنا صفاتِ البذل والعطاء، وهذا يتطلب أن نفقه معانيَ ومفاهيمَ الاقتداء والاتباع والمحبةِ لجوانب الكمال في سيدنا محمد ﷺ، الذي كان أكلُه للطعام ومشيُه في الأسواق من أخص صفات كماله، ومن أنوار خصوصيته - ﷺ - في قالَب بشريته، فأكل الطعام متصل بحاجة الإنسان، ومشيه في الأسواق متصل بتعاملاته مع العالم

Marfat.com

المحيط به في إطار رغبات نفسه وميولاتها.

وهاتان الحالتان تلخصان تحدي الأخلاق في حياة الإنسان، فإذا قامتا وفق هذا المعنى من المتابعة ارتقتا بالإنسان في صلته بحاجاته ورغباته.

فإذا فقهنا هذا المعنى من الاتباع والانقياد ولَجنا إلى أمر المهمة والغاية، على أساس ارتباط قلوبنا بالعبادة والخلافة. ولقد كان شغلُ الصحابة رضوان الله عليهم جميعًا هو كيف ينقادون لله؟ فلما رسخ في قلوبهم ذلك المعنى صاروا قادةً للعالم كُلِّه، وحتى يدخل الأعرابي منهم كرِبعيّ بنِ عامرٍ على رستم قائدِ الفرس، ليقول له: «إن الله ابتعثنا لنخرجَ من شاء من عبادة العباد إلى عبادة الله، ومن ضيق الدنيا إلى سَعتها، ومن جَوْرِ الأديان إلى عدل الإسلام؛ فأرسلنا بدينه إلى خلقه لندعوَهم إليه»[1].

وهذا الأمر يرتقي بالإنسان إلى مستوى ضبط انفعالاته فلا يتجاوز فى دفعه الاعتداء إلى الحد الذي يكون فيه

---

(١) تاريخ الطبري، حوادث سنة أربع عشرة، ٢/٤٠١، البداية والنهاية لابن كثير، غزوة القادسية، ٣٩/٧

Marfat.com

معتدياً، كما نراه في سلوك من يقتصرون على صورة الاتباع دون الصلة بالمتبوع، ولم تعرف البشرية شبيهاً للصحابة في إكرام الأسير الذي كان قبيل أسره يعتدي عليهم ويقاتلهم، حيث كان أحدهم يؤثر أسيره على أولاده بأطايب الطعام امتثالاً لأمره ﷺ: «اسْتَوْصُوا بِالْأُسَارَى خَيْرًا»[1].

فهذا هو الفرق بين الصحابة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين وغيرهم، لمّا رسخت في قلوبهم إرادةُ الانقياد لله ووصل العالم بالله تعالى، اصطفاهم الله عز وجل وجعل منهم أئمةً وأورثهم الأرضَ وائتمنهم على أسرار الخلافة، فنالوها ظاهرًا وباطنًا، لأن من صح انقيادُه لله تعالى صلح أن يقودَ العالم.

---

(١) أخرجه الطبراني في الكبير (٣٩٣/٢٢، رقم ٩٧٧)، وفي الصغير (٢٥٠/١، رقم ٤٠٩) من حديث أبي عزيز بن عمير أخي مصعب بن عمير، قال الهيتمي (٨٦/٦): إسناده حسن، قال أبو عزيز بن عمير: «وَكُنْتُ فِي رَهْطٍ مِنْ الْأَنْصَارِ حِينَ أَقْبَلُوا بِي مِنْ بَدْرٍ فَكَانُوا إذَا قَدَّمُوا غَدَاءَهُمْ وَعَشَاءَهُمْ خَصّونِي بِالْخُبْزِ وَأَكَلُوا التّمْرَ لِوَصِيّةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ إيّاهُمْ بِنَا، مَا تَقَعُ فِي يَدِ رَجُلٍ مِنْهُمْ كِسْرَةُ خُبْزٍ إلّا نَفَحَنِي بِهَا. قَالَ فَأَسْتَحْيِيَ فَأَرُدّهَا عَلَى أَحَدِهِمْ فَيَرُدّهَا عَلَيّ ما يَمَسّهَا». (سيرة ابن هشام ٦٤٤/١ الروض الأنف ٩٥/٣، معرفة الصحابة لأبي نعيم ٢٩٦٧/٥).

Marfat.com

خَاتِمَةٌ

كان هذا التطواف بمعانٍ تتصل بمفهوم بشريته ﷺ، التي تفضي إلى الارتقاء إلى أنوار خصوصيته التي تجمع القلب على حقائق التوحيد.

أسأل الله تعالى كمال التوفيق والتحقق بهذه المعاني إنه ولي ذلك والقادر عليه وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم تسليما كثيرا والحمد لله رب العالمين.

Marfat.com

Marfat.com

فهرست

الموضوع	الصفحة
تقريظ الإمام العلامة عمر بن محمد بن سالم بن حفيظ	٥
تصدير	٩
أعمار الإنسان	١١
الغاية من الوجود ومهمة كل موجود	١٣
مفهوم الكمال المطلق ونموذج الكمال النسبي	١٥
نموذج الإنسان الكامل لدى النصارى	١٥
دِلَالات الكمال	١٧
إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ	١٩
حقيقة المهمة في معنى البشرية	٢١
مِفْتاح التميز في الارتباط بالكامل	٢٥
الخصوصية في الصورة البشرية	٢٩
كمال الإيمان بمحبة سيد الأكوان	٣٢
سريان أنوار الخصوصية عند الاتصال بالبشرية	٣٥

Marfat.com

الموضوع	الصفحة

على قدر مراتب الاتصال والفهم تُنال الدرجات ٣٩
سريان الخصوصية إلى الزمان والمكان ٤٣
فَهْمُ حقيقةِ معنى التوحيد واتصالها بالحبيب ٤٥
ارتباط الرسالة بالرسول والمهمة بالمحبة ٤٨
ذوق الاتباع ٥١
الخدمةُ مع الاتباع فرعٌ عن البذل ٥٦
من الاقتداء إلى الانقياد إلى القيادة ٦٠
خاتمة ٦٣
فهرست ٦٥

** ** **

Marfat.com